استحکام ریاست میں مذہب کا کردار: مسلم مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ

مقالہ برائے **ایم۔فل،علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

فداءاللہ خان

ایم۔فل سکالر، شعبہ اسلامی فکرو ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 1810-Mphil/IS/F19

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد

دسمبر ۲۰۲۲ء

استحکام ریاست میں مذہب کا کردار: مسلم مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ

مقالہ برائے **ایم۔فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

فداءاللہ خان

(بی۔اے۔آنرز)

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن ۲۰۲۲ء-۲۰۱۹ء

© (فداءاللہ خان)

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Deffence Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارد گی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالہ کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **استحکام ریاست میں مذہب کا کردار: مسلم مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ**

Translation of Title in English & Roman:

<u>The Role of Religion in the Stability of State: A Comparative Study of Muslims Thinkers's viewpoint</u>

<u>Istahkam-e-Riyasat main Mazhab ka Kirdar:Muslim Mufakireen ki Aarah ka Taqabli Jaizah</u>

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: فداءاللہ خان

رجسٹریشن نمبر: 1810-Mphil/IS/F19

ڈاکٹر امجد حیات

(نگران مقالہ) ______________________ دستخط: نگران مقالہ

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) ______________________ دستخط: صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان

(ڈین، فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ______________________ دستخط: ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز

(پروریکٹر اکیڈمکس) ______________________ دستخط: پروریکٹر اکیڈمکس، نمل

تاریخ: ______________

حلف نامہ فارم

(Condidate Declaration Form)

میں فداءاللہ خان ولد شفیع اللہ

رول نمبر: MP-F19-530 رجسٹریشن نمبر : 1810-Mphil/IS/F19

طالب علم، ایم۔فل، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل) اسلام آباد، حلفاًاقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **استحکام ریاست میں مذہب کا کردار: مسلم مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ**

The Role of Religion in the Stability of State: A Comparative Study of Muslims Thinkers's viewpoint

Istahkam-e-Riyasat main Mazhab ka Kirdar:Muslim Mufakireen ki Aarah ka Taqabli Jaizah

ایم۔فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر امجد حیات کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کیلئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نمل علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔اس لئے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے/واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: فداءاللہ خان

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(ABSTRACT)ملخص مقالہ

The Role of Religion in the Stabiliy of the State: A Comparative Study of the Muslim Thinkers's Viewpoints

The man is social by nature.He always preferred to live in a group. For living in group he had to create such organizations which can handle all the matters of the society.Thus the concept of state was developed by humankind to live together by following agreed laws. Religion is also the part of humankind's life. He followed religion in every time. Almighty Allah had given the commandments to humankind about the everything regarding social life from the day first. The divine commandments also consist of doctrines about state. Not only the Holy Prophet Muhammad (Peace and blessings be upon him) but also previous Prophets were given commandments about the state matters. Holy Prophet Muhammad (Peace and blessings be upon Him) established the state for the Muslims on his arrival at Madinah. All the matters of state were being dealt according to the divine commandments.Thus Islamic state is nothing without the divine doctrines.Muslim thinkers of twentieth century authored lot of books on the establishment of Islamic state and its management. This research work would consist of comparative analysis of viewpoints of selected Muslim thinkers about the role of religion in the stability of Islamic state. The research work would consist of description of Islamic concept of state, government, and constitution of Islamic state.This reaserach work would consist of comparative analysis of selected Muslim thinkers viewpoints about the role of economy, justice and defence in the statbility of Islamic state.The comparative research methodology has been adopted in this research study. Nowadays,the new generation has doubts that the interference of religion in the affairs of the state makes the state unstable. There is an urgent need to remove this problem in the light of the opinions of modern scholars and thinkers. Does the state suffer from instability due to religion or not? And What kind of role does religion play in the construction, development and stabilization of the state among Muslim thinkers? And what are the opinions of selected Muslim thinkers regarding this role? With this reference, their comparative evaluation will be done. There is no doubt that religion plays an important role in the stability of the state, its peace, economic stability and social harmony.

Key words: Islamic state, Stability , Economy, Justice, Defence System,Muslim thinkers,Comparative.

فہرست مضامین بالترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	
۲	حلف نامہ (Declaration)	
۳	ملخص(Abstract)	
۴	اظہار تشکر (Acknowledgement)	1
۵	انتساب (Dedication)	2
۶	مقدمہ	3
۷	**باب اول: استحکام ریاست کے بنیادی عوامل اور منتخب علماء و مفکرین کا تعارف**	9
۸	فصل اول: مذہب و ریاست کا مفہوم اور تاریخی پس منظر	10
۹	فصل دوم: اسلامی ریاست کے بنیادی عوامل اور عدم استحکام کے اسباب	25
۱۰	فصل سوم: منتخب علماء و مفکرین کے احوال و آثار	52
۱۱	**باب دوم: استحکام ریاست میں مذہب کے کردار پر علماء و مفکرین کی آراء**	59
۱۲	فصل اول: نظم معیشت	60
۱۳	فصل دوم: نظم عدل وانصاف	76
۱۴	فصول سوم: نظم دفاع	94
۱۵	**باب سوم: علماء و مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ**	110
۱۶	فصل اول: تصور ریاست پر علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل	111
۱۷	فصل دوم: نظم ریاست میں علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل	126
۱۸	فصل سوم: علماء و مفکرین کے استحکام ریاست پر مشترک و امتیازی مباحث کا تقابل	144
۱۹	خلاصہ بحث	159
۲۰	نتائج و سفارشات	164
۲۱	فہرست آیات قرآنی	166
۲۲	فہرست احادیث مبارکہ	169
۲۳	فہرست مصادر مراجع	170

اظہار تشکر (ACKNOWLEDGEMENTS)

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ جو کائنات کا خالق و مالک اور علیم و قدیر ہے۔ اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں جس کی توفیق نے ہر مرحلہ زندگی پر حق کی راہنمائی نصیب فرمائی۔۔ مجھے حضرت محمد ﷺ کے امتی ہونے کا شرف بخشتے ہوئے بے شمار نعمتوں کے ساتھ حصول علم کے شوق سے بھی نوازا۔ اپنی لازوال نعمتوں سے بہرا ور فرمایا اور اس قابل بنایا کہ یہ علمی کاوش بخیریت پایا تکمیل تک پہنچا سکوں۔ میں کروڑوں مرتبہ اس ذات باری تعالی کے آگے سر بسجود ہوں اور اس کے آگے نہایت ادب اور عجز و انکساری کے ساتھ شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے قلم پر احسان کیا، طاقت بخشی اور توفیق عطا کی جس کی بدولت آج ایک چھوٹی سی علمی کاوش پوری ہونے جارہی ہے۔

میں اپنے والدین کا نہایت شکر گزار ہوں جن کی مخلصانہ تعاون نے مجھے علم کے زیور سے بہرا ور کیا، ہر مشکل میں ساتھ دیا اور میرے واسطے دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ کا فضل اور ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج مجھے ایم فل کا مقالہ مکمل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس تحقیقی کاوش کو میں اپنے مقالہ کے نگران ڈاکٹر امجد حیات صاحب کی معاونت، راہنمائی اور تعاون کا ثمرہ سمجھتا ہوں۔ جن کی علمی سرپرستی اگر مجھے نہ ملتی تو آج مجھے اس تحقیقی مقالہ کو لکھنے کی سعادت نصیب نہ ہوتی۔ مقالہ نگاری کے دوران ان کے لمحہ بہ لمحہ نگرانی، معاونت، انتہائی قیمتی ہدایات اور مشوروں سے یہ مقالہ تکمیل کے مراحل تک پہنچا۔ علاوہ ازیں میں اپنے ان تمام اساتذہ کرام کا مشکور ہوں جنہوں نے مقالہ ہٰذا کی تکمیل میں میری ہر قدم پر رہنمائی کی۔ میں نمل یونیورسٹی کا ممنون ہوں، کہ مجھے اس مقالہ کو لکھنے کا موقع دیا اور اس کے تکمیل کے لئے نہایت قابل، مخلص و مشفق، محنتی، باذوق اور خوش اخلاق اساتذہ کرام فراہم کئے۔

فداءاللہ خان

انتساب (DEDICATION)

والدین کریمین کے نام جنہوں نے علم کے سفر میں ہر قدم پہ میرا ساتھ دیا۔

مقدمہ(Introduction)

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین نبینا محمدا وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد

اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک ہر اُمت کی زبان میں رسول مبعوث فرمایااور پھر سینکڑوں صحائف اور چار مستقل کتابوں کے نزول کے بعد فرمایا۔

﴿وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[1]

(ہم نے ہر قوم کی زبان میں ہی رسولؐ بھیجا تاکہ وہ اُن کے لیے بیان فرمائے۔)

متن قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔ یہ ہر فرد اور ریاست کے جملہ معاملات کی ہدایت کا حتمی اور قطعی ذریعہ ہے۔اس کے بہت سے احکام مجمل یا کلیات کی شکل میں ہیں۔ جن کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قول و عمل سے فرمائی۔

﴿وأَنزَلْنَا إِلَيكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيهِم ولَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ﴾[2]

(اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں کے لیے واضح کر دیں۔)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نفوسِ بشریہ کا تزکیہ کیا۔ان کی جبلتوں کی تہذیب کرتے ہوئے مضطرب الحال انسان کو قرآن کا فہم اور خیر و شر کی تمیز سکھائی۔انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب کے لیے جو ادارے قائم کیے ہیں ان میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے۔ریاست وہ ہئیت سیاسی ہے جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں۔انسان نے اپنی تہذیبی زندگی کے آغاز سفر ہی میں اس ادارے کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا اور پوری انسانی تاریخ، ریاست کے قیام واستحکام ،اس کی تنظیم و تہذیب اور اس کے فروغ وارتقاء پر قائم ہے۔دورِ جدید میں سائنسی ترقی اور اجتماعی زندگی میں نت نئی پیچیدگیوں کی وجہ سے ریاست کا دائرہ کار بڑھ رہا ہے۔اب دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک میں ریاست کا کام محض امن وامان اور نظم وضبط قائم رکھنا نہیں، بلکہ اجتماعی عدل اور سماجی فلاح کا بھی ہے۔آج ریاست نے ایک مثبت کردار اختیار کر لیا ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی کے ہر شعبہ کے حوالے سے احکامات عطا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معاشرتی زندگی کے حوالے سے احکامات قرآن مجید میں دیے ہیں۔اس کے ساتھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اجتماعی زندگی کے حوالے سے تعلیمات پائی جاتی ہیں۔اسلام نے ریاست کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وقت کی اجتماعی قوت کو اسلام کے تابع

---

[1] ابراھیم:52

[2] النحل:44

کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔خدا کے ان فرستادہ بندوں نے زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی تاکہ خدا کی زمین پر خدا کا دین قائم ہو اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو۔ان کی یہ جدوجہد پوری زندگی کی اصلاح کے لیے تھی اور ریاست کی اصلاح ان ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ تھا۔قرآن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلاۃ والسلام نے باقاعدہ اسلامی ریاست قائم بھی کی اور اسے معیاری شکل میں چلایا بھی۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ مذہب نے ہمیشہ ریاستی نظام میں اور اسے مستحکم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے، ریاستی نظم میں مذہب کے کردار میں خصوصا اسلام کو پذیرائی ہمارے ہاں اس لیے ہے کہ اسلامی اجتماعی نظم جو عہد نبوی ﷺ سے شروع ہوا، خلافت راشدہ میں اسکا تسلسل رہا اور اس کے بعد مختلف شکلوں (ملوکیت، بادشاہت، مروشیت) میں تقریبا ۱۰۰ سال تک جاری رہا۔ پھر ایک دور ایسا آیا کہ مسلم ریاستیں غلامی اور دوسروں کے دست نگر ہوگئی اور دوسری صدی کے نصف سے اسلامی ریاستوں نے اپنی سیاسی آزادی حاصل کرنا شروع کر دی،اس کے بعد اسلامی معاشرہ میں یہ سوچ پر موٹ ہوئی کہ مذہب کا ریاستی نظم واستحکام سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سوچ کو ختم کرنے کے لیے اور اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے اور اسے عدم استحکام سے بچانے کے لیے بہت سے مسلم مفکرین نے اپنی تحریر، تقریر، تبلیغ اور قلم کے ذریعے ہمیشہ سے میدان عمل میں رہے ہیں اور انہوں نے اپنی زیست کے ایام میں مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنا تعلیمی سفر مکمل کر کے لاتعداد کتب تحریر کیں۔ان کی تحریر آج بھی اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ مقالہ ہذا میں بیسویں صدی کے منتخب علماو مفکرین مثلا: مولانا مودودیؒ،ڈاکٹر اسرار احمدؒ،ڈاکٹر طاہر القادری، امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر حمید اللہؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی نے اسلامی ریاست کے استحکام کے حوالے سے مذہب کے کردار کو احسن طریقے سے بیان کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مفکرین کی اسلامی ریاست کے استحکام کے حوالے سے آراء کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔ کیونکہ مذکورہ مفکرین اسلامی ریاست کے استحکام میں اسلام کے کردار کے حوالے سے مختلف آراء رکھتے ہیں۔مذکورہ علماو مفکرین اسلامی ریاست کے مختلف نظم کے حوالے سے انفرادی بحث کرتے ہیں۔ لہذا ان مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ موجودہ دور میں اسلامی ریاست کو درپیش مسائل کو حل کرنے اور اسے مستحکم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

موضوع سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ: (Review of Literature)

مقالہ جات

مختلف جامعات میں اسلامی ریاست کے حوالے سے مقالہ جات لکھے گئے ہیں۔ان مقالات میں اسلامی ریاست کے انتظامی معاملات، ذرائع ابلاغ اور فلاحی ریاست جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کی فہرست درج ذیل ہیں۔

۱۔پی۔ایچ۔ڈی، عصر حاضر میں اسلامی ریاست کی تشکیل کا تحقیقی جائزہ (مسلم مفکرین کے افکار کی روشنی میں)، مقالہ نگار: فریدالدین طارق، نگران: ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، نمل، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء

۲۔پی۔ایچ۔ڈی، اسلامی ریاست کی تشکیل جدید: محمد اسد کیفکار کا تنقیدی جائزہ، پنجاب یونیورسٹی، محمد ارشد، ۲۰۰۸ء

۳۔ایم۔فل،اسلام میں فلاحی ریاست کا تصور (دور نبوی اور خلافت راشدہ کے تناظر میں)، مقالہ نگار: محمد بشیر احمد، نگران: ڈاکٹر ضیا الحق یوسف، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۶ء

۴۔ایم۔فل،اسلامی ریاست میں انتظامی ڈھانچے کی تشکیل اور دائرہ کار، مقالہ نگار: ریحانہ تاج، نگران: ڈاکٹر ممتاز سالک، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۵ء

۵۔ایم۔فل،اسلام کا تصور ریاست، مقالہ نگار: نجم النساء، نگران: وحید الدین، شعبہ علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی، ڈی آئی خان، ۱۹۹۸ء

مذکورہ بالا مقالات میں اسلامی ریاست میں انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔اسلامی ریاست کے انتظامی اداروں کے دائرہ کار اور ان کی ذمہ داریوں پر بحث کی گئی ہے۔اسی طرح عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی ریاست کی ابتداء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی اقدامات کو بیان کیا گیا ہے۔اسلامی ریاست کے انتظامی مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔عہد نبی ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں اسلامی ریاست میں فلاحی امور کا ذکر کیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا میں اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے میں مذہب کے کردار پر بحث کی گئی ہے اور اس کو مستحکم بنانے کیلئے نظم معیشت، نظم عدل وانصاف اور نظم دفاع کے حوالے سے منتخب علما و مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

کتب

اس موضوع سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مختلف مفکرین نے اسلامی ریاست کے موضوع پر کتب لکھی ہیں۔ مثلا: عربی میں، امام ابوالحسن علی بن محمد، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی اور اردو میں ڈاکٹر حمید اللہ، سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ، امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، مفتی محمد تقی عثمانی اور ڈاکٹر طاہر القادری جیسے قابل ذکر مصنفین ہیں۔ جس میں اسلامی ریاست کے مختلف جہتوں کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔

عربی کتب

۱۔السیاسۃ الشریعۃ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

۲۔الاحکام السلطانیہ، امام ابوالحسن علی بن محمد

۳۔ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

اردو کتب

۳۔سیاسی وثیقہ جات (ڈاکٹر حمید اللہ)

۴۔احیاء العلوم الدین (امام غزالی)

۵۔اسلامی ریاست (مولانا گوہر رحمان)

مذکورہ بالا کتب میں اسلامی ریاست کے قیام کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلام میں سیاست کے بنیادی اصولوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں مختلف انتظامی اداروں کی ذمہ داریوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور انتظامی اداروں کو پیش جدید مسائل کا حل الہامی تعلیمات اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا میں اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے میں مذہب کے کردار کو عصر حاضر کے منتخب علماو مفکرین کی آراء کے روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

آرٹیکلز

مذکورہ موضوع کے قریب قریب مختلف آرٹیکلز لکھے گئے ہیں۔ ان آرٹیکلز میں اسلامی ریاست کا انتظامی نظام، ریاست میں معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے اسلامی تعلیمات، اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کے حقوق اور ان کے ساتھ معاملات کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو بیان کیا ہے جو کہ اسلامی ریاست کے استحکام میں مذہب کے کردار کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے استحکام میں عوام الناس میں نظم ضبط کے قیام کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ اسلامی ریاست کی خصوصیات عصر حاضر کے تناظر میں، فریدالدین طارق، الاضواء، جلد ۳۱، شمارہ ۴۶، ۲۰۱۶ء

۲۔ ریاست مدینہ کی ترقی اور دفاع میں نوجوان صحابہ کا کردار، ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی، البصیرہ، جلد ۶، شمارہ ۲، ۲۰۱۷ء

۳۔ عالمی سیاست میں اسلامی ریاست کا کردار (سیرت نبوی کی روشنی میں)، ڈاکٹر نور حیات خان، العلم، جلد ۳، شمارہ ۱، ۲۰۱۹ء

۴۔ اسلامی فلاحی ریاست اور کفالت عامہ کا تصور۔ پاکستان کے تناظر میں، ڈاکٹر نسیم محمود، افکار، جلد ۲، شمارہ ۲، ۲۰۱۸ء

انگریزی آرٹیکلز

1. Role of Religion in Modern State, Ayesha Rafiq, (Pakistan Journal of Islamic Research) Vol. 18, Issue. 2017

2. Role of Religion in State Discourse: A Reappraisal of Islamization in Pkistan, Muneera Sultan, (Pakistan Social Sciences Review), Vol. 2, Issue. 2018

مذکورہ بالا آرٹیکلز میں اسلامی ریاست کے قیام اور عصر حاضر میں اسلامی ریاست کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی سیرت کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست کی بقاء نوجوان نسل سے ہے۔ آرٹیکلز میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست نہ صرف اپنی رعایا بلکہ عالمی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مقالہ ہذا بھی اسلامی ریاست کے حوالے سے ہے جس میں اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے مذہب کے کردار پر منتخب علماو مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

جوازِ تحقیق:(Rationale of study)

- دور حاضر میں نوجوان نسل کے ذہنوں میں یہ سوال مضبوطی اختیار کر رہا ہے کہ مذہب اور ریاست کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور مذہب ریاستی معاملات میں ایک رکاوٹ ہے، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ نئی نسل میں موجود اس اشکال کا خاتمہ کیا جائے اور ان کے سامنے مذہب اور ریاست کے تعلق کو قرآن وسنت اور مسلم مفکرین کی آراء کی روشنی میں واضح کیا جائے۔
- دنیا میں اس وقت اسلامی ریاستیں عدم استحکام کا شکار ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جن مسلم مفکرین نے اسلامی ریاست پر بحث کی ہے انکی تحقیق کے ان پہلو کو سامنے لایا جائے جس سے ریاست مستحکم ہوتی ہے۔

بیان مسئلہ: (Statement of the problem)

دور حاضر میں نئی نسل میں یہ شکوک وشبہات پیدا ہونا کہ مذہب کا ریاستی معاملات میں دخل اندازی سے ریاست غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔اس اشکال کو معاصر علماء ومفکرین کی آراء کی روشنی میں دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت: (Significance of the Study)

- ریاست اور مذہب کے تعلق کے حوالہ سے مسلم مفکرین کا نقطہ نظر کو سمجھنا اور اسکا جائزہ لینا مسلم مملکت کے لیے نہایت ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ریاست کو مستحکم کرنے میں مذہب رکاوٹ ہے کہ نہیں۔
- دنیا میں اس وقت اسلامی ریاستیں عدم استحکام کا شکار ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جن مسلم مفکرین نے اسلامی ریاست پر بحث کی ہے انکی تحقیق کے اس پہلو کو سامنے لایا جائے جس سے ریاست مستحکم ہوتی ہے۔
- موجودہ دور میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال مضبوطی اختیار کر رہا ہے کہ مذہب ایک الگ چیز ہے اور ریاست ایک الگ چیز ہے اور ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ عامۃ الناس کے ذہنوں میں موجود اس اشکال کا خاتمہ کیا جائے اور ان کے سامنے مذہب اور ریاست کے تعلق کو منتخب علماء ومفکرین کی آراء کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

مقاصد تحقیق: (Objectives of the Study)

- اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے کے بنیادی عوامل واسباب تلاش کرنا۔
- اسلامی نظم مملکت میں ریاست کے استحکام سے متعلق منتخب مسلم مفکرین کی آرا کا تجزیہ کرنا۔
- علماو مفکرین کی ریاست کے استحکام میں مذہب کے کردار پر افکار کے مختلفات ومشترکات جائزہ لینا۔

سوالاتِ تحقیق: (Research Questions)

- اسلامی ریاست کے استحکام کے بنیادی عوامل کس نوعیت کے ہیں، جن کی رعایت سے ریاست کو عدم استحکام سے بچایا جاسکتا ہے؟
- اسلامی نظم مملکت میں ریاست کے استحکام میں منتخب مفکرین کی آراء کے تناظر میں کس طرح کی تعلیمات پائی جاتی ہیں؟

❖ ریاست کو مستحکم کرنے میں مذہب کے کردار پر منتخب علماء و مفکرین کے مشترک و امتیازی مباحث کیا ہیں؟

تحدید موضوع: (Delimitations of the study)

مقالہ ہذا میں پاکستان کے بیسوی صدی کے منتخب علماو مفکرین {(۱)مولانا مودودیؒ،(۲)ڈاکٹر اسرار احمدؒ،(۳) ڈاکٹر طاہر القادری،(۴) امین احسن اصلاحی،(۵) ڈاکٹر حمید اللہؒ،(۶) مفتی محمد تقی عثمانی} کی روشنی میں ریاست (مسلم) کو مستحکم کرنے میں مذہب (اسلام) کے کردار کو اور اسکے اسباب و عوامل کو واضح کیا گیا ہے۔ مذہب و ریاست کے تعلق کے حوالہ سے اٹھنے والے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے ساتھ منتخب علماو مفکرین کے افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق: (Research Method)

❖ مقالہ ہذا میں تحقیق کا بنیادی منہج تقابلی اختیار کیا گیا ہے۔

❖ بنیادی مصادر میں قرآن مجید اور صحاح ستہ کے بعد تفسیر ابن کثیر (امام عماد الدین) اور تفسیر جلالین (علامہ جلال الدین) اور سیرت نبوی میں طبقات ابن سعد (محمد بن سعد)، السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، انسائیکلوپیڈیا (world (Religions & Social Science سے استفادہ کیا گیا ہے۔

❖ ثانوی مصادر میں (Islamic Ideology ،(Muslim Conduct of State Dr.Hamidullah Abdul Hakim) مولانا مودودیؒ کی اسلامی ریاست، ڈاکٹر طاہر القادری کی اقتصادیات اسلام، امین احسن اصلاحی کی اسلامی ریاست، ڈاکٹر حمید اللہ کی اسلامی ریاست، ڈاکٹر اسرار احمد کی خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام اور مفتی تقی عثمانی کی اسلام اور سیاسی نظریات وغیرہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

❖ جدید ذرائع تحقیق مثلاً (اس Websites جن میں Archive.com,) سے بھی حسب ضرورت استفادہ کیا گیا۔

❖ کتب، کالمز اور مقالہ جات کے حصول کیلئے ڈیجیٹل لائبریری (اسلامی سافٹ ویئر، مکتبہ شاملہ، اسلامک ڈیجیٹل لائبریری، مکتبہ جبریل ریختہ، مکتبہ وقفیہ) مختلف اسلامیات کی ویب سائیڈز (Sunnah.com اور Archive.com) اور لائبریریوں (نمل یونیورسٹی لائبریری، قائد اعظم لائبریری، پنجاب پبلک لائبریری، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری) کی طرف رجوع کیا گیا ہے

❖ مقالہ کی عبارت آسان، عام فہم اور رموز و اوقاف کے عین مطابق ہے۔

❖ مقالہ کی تحریر اور حوالہ جات کے لیے نمل یونیورسٹی کا فارمیٹ اختیار کیا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم و ترتیب:(Chapterization of Research)

مقالہ ہذا کو مقدمہ کے بعد بنیادی طور پر تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب میں تین فصول کے ذریعے کوشش کی گئی ہے کہ موضوع کا کوئی پہلو رہ نہ جائے۔

باب اول

استحکام ریاست کے بنیادی عوامل اور منتخب علماء و مفکرین کا تعارف

فصل اول: مذہب و ریاست کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

فصل دوم: اسلامی ریاست کے بنیادی عوامل اور عدم استحکام کے اسباب

فصل سوم: منتخب علماء و مفکرین کے احوال و آثار

فصل اول

مذہب وریاست کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

مذہب کے بغیر انسانیت کا وجود ممکن نہیں رہا ہے البتہ یہ درست ہے کہ بعض افراد اپنی پوری زندگی میں مذہب سے بے نیاز رہتے ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں، غالباً تاریخ میں پہلی مرتبہ بعض ممالک ملحد ہوگئے اور بعض سیکولر بن گئے۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض افراد کی یہ خواہش ہے کہ مذہب سرے سے رہے ہی نہیں۔ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ مذہب کے نام کو غلط استعمال کرنے کے باعث بہت سے مسائل اور مصائب پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ملحدانہ نظریات پر کاربند نظام ہائے حکومت مثلاً کمیونزم اور نازی ازم کے باعث بھی انسانیت کو انتہائی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے، انھوں نے اپنے ملحدانہ نظریات کو بسااوقات مذہب کے طور پر استعمال کیا۔ بہر کیف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بنی آدم کی واضح اکثریت مذہب سے محبت کرتی ہے اور یہی ہمیشہ امر واقعہ رہا ہے۔ ذیل میں ہم مذہب کا معنی و مفہوم اور تاریخی حوالہ سے جائزہ لیتے ہیں۔

مذہب کا مفہوم

مذہب کا لغوی معنی ''راستہ'' ہے، یعنی وہ راستہ جس پر چلا جائے۔ یہ عربی لفظ ''ذ-ھ-ب'' سے مشتق ہے، جس کی معنی جانا (چلنا) یا گزرنا ہے۔ ائمہ اسلام کی اصطلاح میں لفظ مذہب ''رائے یا مسلک'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مختلف ماہرین لغت نے مذہب کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ علامہ فیروز آبادی مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

((المذهب: المتوضا، والمعتقد الذی يذهب اليه، والطريقة))[1]

(مذہب: چلنے کی جگہ، ایسا راستہ جس کی طرف جانا ضروری ہوتا ہے)

علامہ افریقی لسان العرب میں لفظ مذہب کے متعلق لکھتے ہیں۔

((المذهب: المعتقد الذی يذهب اليه))[2]

(مذہب ایسا مقصد ہے جس کی طرف جانا ضروری ہو)

مذہب کا آغاز وارتقاء

مذہب کے آغاز کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی نظریہ اور دوسرا مذہبی نظریہ۔[1]

---

[1] فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، **القاموس المحیط**، (بیروت: موسسۃ الرسالہ، 1407ھ)، ص 110

[2] افریقی، ابن منظور، **لسان العرب**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۲۹۰ء)، ج 1، ص 394

۱۔ ارتقائی نظریہ

اس نظریے کی رو سے جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے ناآشنا تھا اور مذہب کی ابتداء مظاہر پرستی سے ہوئی۔ سب سے پہلے زمین کی پرستش شروع ہوئی۔ چونکہ زمین جس پر انسان بود باش رکھتا تھا ماں ہی کی طرح اس کی پرورش اور ربوبیت کا سامان مہیا کرتی تھی۔ اس لئے سب سے پہلے زمین کی پرستش شروع ہوئی اور اسے دھرتی ماتا کہنے لگے۔ لیکن زیادہ تر مفکرین ارتقائی نظریہ کی نفی کرتے ہیں۔ سٹیفن لینگڈن[2] (Stephen Langdon) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں

"The evidence points to the belief in one God without any doubt, the oldest books and literary remains of the Jews also indicate that the people of that time believed in one God. And now the ancient religions have lost their credibility."3

(شواہد بغیر کسی شک وشبہ کے ایک خدا کو ماننے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اہل یہود کی قدیم ترین کتابوں اور ادبی باقیات بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس زمانے کے لوگ ایک خدا پر یقین رکھتے تھے۔ اور اب قدیم مذاہب اپنی ساکھ کھو چکے ہیں۔)

لہذا مذاہب کے ارتقاء کی تھیوری یہ دعویٰ کرتی ہے کہ بہت سے خداؤں کو ماننے کا تصور اس وقت عام ہوا جب لوگوں نے بری ارواح کو قدرتی طاقتوں کی نمائندگی بنا کر انکی پرستش شروع کر دی۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں نے خدا کی مختلف خوبیوں کے متعلق مختلف نظریات قائم کیے جس کی وجہ سے ایک خدا کے تصور میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اسی بات کی تائید دوسرے مغربی مفکر فلنڈرز پیٹری (Flinders Petrie) یوں کرتے ہیں۔

"Superstitions and belief in many gods arose as a distortion of the concept of one God. At the same time, he said that this distortion can be seen in all societies of today and in the past, some races such as modern Hindus rejoice in the presence of many gods and the number of these gods continues to increase. On the other hand, some people do not believe in any great God but believe in evil spirits and demons.[4]"

(توہمات اور بہت سے خداؤں پر یقین ایک خدا کے تصور میں بگاڑ کی صورت میں پیدا ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کہا کہ یہ بگاڑ آج کے اور ماضی کے تمام معاشروں میں دیکھا جا سکتا ہے، بعض نسلیں جیسے کہ ماڈرن ہندو بہت زیادہ خداؤں کی موجودگی پر خوشی مناتے ہیں اور ان خداؤں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسری طرف بعض لوگ کسی عظیم خدا پر یقین نہیں رکھتے بلکہ بری ارواح اور شیاطین پر یقین رکھتے ہیں)

---

[1] ہارون یحییٰ، **نظریہ ارتقاء ایک فریب**، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 2002ء)، ص 69-71

[2] اسٹیفن لینگڈن سمیرین اسکالر تھے۔ آپ نے آثار قدیمہ کے مشاہدے ذریعے ماضی کی تہذیبوں پر کتب لکھی ہیں۔

[3] https://answersingenesis.org/the-flood/flood-legends/a-comparison-from-secular-historical-records (9/10/2022)

[4] Flinders Petrie, The Religion of Ancient Egypt, (Lomdon: Constable, 1908), p:3.

اس بات پہ کوئی شک نہیں کہ ایک خدا کی عبادت کے بعد جب مذاہب میں بگاڑ پیدا ہوا تو پھر انہوں نے مختلف اشیاء کی پرستش کرنا شروع کردی۔ کیونکہ ان میں مختلف خداؤں کو ماننے کا مطلب ایک بڑے خدا کو مان کر کچھ اس کے مقربین خاص کا اقرار کرنا ہے جو ذیلی خداؤں کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اس صورت میں ہم ذیل میں دیکھیں گے کہ کن چیزوں کو خدا کے مقربین میں تصور کیا جاتا تھا

مذہب کی ابتداء

تاریخی شواہد کی بنیاد میں اگر ہم دیکھیں تو مذہب کی ابتداء چار ہزار قبل از مسیح انسانیت کے پہلے باقاعدہ مذہب کا ثبوت شمالی عراق اور کردستان میں اکادی قوم اور جنوبی ڈیلٹا میں آباد سمیرین سے ملتی ہے۔ انہی علاقوں میں ۳۵۰۰ قبل مسیح میں میخی لکھائی کی ایجاد کے بعد مذہبی کتھاؤں اور اور دعائیہ کلمات ملتے ہیں۔[1]

ذیل میں ان قدرتی مظاہر کا ذکر کریں گے جن کی ماضی میں عبادت کی جاتی تھی۔

(۱) سورج اور چاند کی پوجا

دنیا کی بیشتر اقوام میں سورج کا شمار معبودان اعلیٰ میں تھا۔ چنانچہ مصر کا دیوتا اوسیرز (Osiris) اور ہورس (Horus) بابل کا شمس، اشوریوں کا اشور سب آفتاب ہی تھے۔ یونان، جرمنی، برطانیہ اور اسکنڈی نیویا کے لوگ آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ ہندوستان میں ویدک دور سے لے کر اب تک "سوریہ پوجا" ہوتی آئی ہے اور جاپان میں بادشاہ میکاڈو کو بھی سورج کا اوتار مانا جاتا تھا۔ جب انسان نے کاشتکاری کا آغاز کیا، سورج کی گردش سے غلہ بونے اور کاٹنے کا زمانہ متعین کیا تو آفتاب پرستی کا عروج ہونے لگا۔ چاند کی پرستش سورج کی نسبت کم ہونے لگی۔[2]

(۲) سیاروں کی پوجا

سیاروں کی پرستش مختلف قوموں نے کی ہے۔ بابل میں ستاروں کی پرستش زوروں پر رہی ہے۔ ستارہ پرستی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس سے علم النجوم اور بعد میں فلکیات کی بنیاد پڑی۔ سورج اور چاند کی طرح ہر ستارہ کا ایک دیوتا تھا اور اس میں روح کا پایا جانا تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "قطب ستارے" کو حاصل تھی۔ ہندوؤں کے برہما کا تعلق بھی قطب ستارے سے ہے۔ اسی طرح جاپان میں سب سے بڑے خدا کا نام کے معنیٰ "آسمان کا مقدس مرکز مالک دیوتا" کے ہیں۔[3]

---

[1] Coper F, States and Political Ideas in the World History, (Princton: Princton University Press), p130

[2] Wilhelm Schmidt, The Origin and Growth of Religion: Facts and Series, (London: Methuen and Company limited, 1931), p77

[3] Wilhelm Schmidt, The Origin and Growth of Religion: Facts and Series', p77

(۳) پہاڑوں اور درختوں کی پوجا

بعض اقوام میں پہاڑوں کی رفعت اور منفعت کی وجہ سے پرستش کی جاتی رہی ہے کیونکہ پہاڑوں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں اور زمین کو زرخیز بناتے ہیں۔ مختلف اقوام عالم میں بعض پہاڑ مقدس سمجھے جاتے تھے مثلاً ہندوؤں میں کیلاش پربت، یہودیوں میں کوہ صیہون اور مسلمانوں میں کوہ طور۔ مقدس پہاڑ سے ایک مقدس درخت کا نظریہ بھی وابستہ ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا سوم ایرانیوں کا ہوسم، یہودیوں کا شجرۃ الحیات (یا شجرۃ العلم) مسلمانوں کا طوبیٰ وغیرہ اور عیسائیوں میں کرسمس ٹری کی شکل میں اب بھی جاری ہے۔[1]

(۴) آگ، ہوا اور اعضائے جنسی کی پوجا

اس پرستش کا رواج اس وقت ہوا جب انسان نے آگ کو دریافت کیا۔ چونکہ آگ کے بجھ جانے سے دوبارہ حاصل کرنا مشکل ہوتا تھا لہذا جہاں تک ممکن ہوتا لوگ آگ بجھنے نہیں دیتے تھے۔ آگ کو زمین پر سورج کا نمائندہ تصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض اقوام میں آتش فشاں پہاڑ کی پوجا ہوتی تھی۔ قدیم ہند کے آریہ لوگ اگنی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ پارسی زمانہ قدیم سے آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر شہر میں ایک بہت بڑا آتش کدہ ہوا کرتا تھا۔ یہاں دن رات آگ روشن رہا کرتی تھی۔ اٹلی میں بھی یہی رواج تھا وہاں آگ کی دیوی کا نام ویسٹا تھا۔ آگ کی نسبت ہوا کی پوجا کم ہوئی ہے۔ اگر ہر ملک کی دیومالا میں ہوا کا دیوتا ہوناضرور پایا جاتا ہے۔ جنسی خواہش ایک فطری تقاضا ہے۔ اس کی تسکین کے دو مقاصد تھے۔ اول حصول لذت دوم افزائش نسل اور اسی اہمیت کے پیش نظر اعضائے جنسی کی پرستش مصر، عراق، ہندوستان، یونان اور روم وغیرہ میں ہونے لگی۔[2]

(۵) جانوروں کی پوجا

انسان تاریخ میں مختلف اشیاء کی عبادت کرتا رہا ہے۔ مظاہر قدرت سے مرعوب ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ مظاہر قدرت کی پرستش کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اتنا وسیع ہو گیا کہ لوگوں نے جانوروں تک کو خدا بنالیا۔ محمد مظہر الدین صدیقی فرماتے ہیں کہ

---

[1] Ibid

[2] Ibid, p. 79

"چنانچہ ہندوؤں نے گائے کو اپنا خدا اقرار دیا اور لنگور کو مقدس سمجھ کر پالنا شروع کر دیا جسے ان کے ہاں 'ہنومان' کہتے ہیں۔ سری لنکا میں اب بھی ہاتھی کی پوجا ہوتی ہے اور مصر میں ایک زمانہ تک اہل مصر ہاتھی کو اپنا معبود مانتے تھے۔ اسی طرح موسیٰؑ کی قوم بچھڑے کی پوجا میں لگ گئی جسے 'تقابل ادیان' کی اصطلاح میں 'عبادۃ الحیوان' اور مستشرقین کی اصطلاح میں کوٹ ازم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔" [1]

(۶) بتوں کی پوجا

عبادۃ الاوثان یعنی بتوں کی پوجا اس طرح شروع نہیں ہوئی کہ پتھر یا کسی دھات کا کوئی مجسمہ تراشا اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا شروع کر دیا بلکہ اس کی ابتداء کا ایک خاص پس منظر ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام قرآن نے بھی محفوظ کئے ہیں۔

﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّ لَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾[2]

(اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑو)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مودودیؒ فرماتے

یہ پانچوں بڑے نیک اور صالح تھے۔ جب ان کی مدت عمر پوری ہوئی اور انہوں نے دنیا سے پردہ کیا تو لوگوں نے یہ سوچ کر کہ ہم ان کے مجسمہ دیکھ دیکھ کر اپنے آپ کو تسلی دیا کریں گے اور عبادت میں مشغول رہنا آسان ہوگا، ان کے مجسمے بنا لئے۔ اگلی نسل کے ذہن سے یہ وجہ محو ہو گئی اور انہوں نے ان کی تعظیم سے لیکر عبادت کے ہر طریقے سے ان کی پرستش شروع کر دی اور بڑھتے بڑھتے یہ سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ خانہ کعبہ جو کہ مرکز توحید ہے، میں تین سو ساٹھ بت لاکر رکھ دیے گئے۔ جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ سے دور کر دیا۔[3]

۲۔ مذہبی نظریہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے جسمانی ضروریات کی طرح روحانی ضرورت کا سامان بھی مہیا کیا جو توحید اور عبادت ہے۔ ہر قوم کی طرف نبی بھیجے انہوں نے لوگوں کو توحید اور عبادت الٰہی کی تعلیم دی۔ اس وجہ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آغاز میں ہی انسان کا مذہب توحید تھا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[4]

---

[1] محمد مظہر الدین صدیقی، **اسلام اور مذاہب عالم**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۴ء) ص 32

[2] نوح: 23

[3] مودودی، ابو الاعلیٰ، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن ۱۹۷۲ء) ۹۶/۶

[4] الزاریات: 56

(اور میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت (بندگی) کیلئے پیدا کیا ہے)

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد واضح فرمایا کہ اس کی تخلیق کا مقصد اپنے خالق کی بندگی ہے۔ مگر وقتاً فوقتاً انسان اپنے مقصد سے ناآشنا ہوتا رہا جس کو یاد کروانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء مبعوث فرمائے۔ ہر قوم میں عبادت کا تصور انبیاءؑ نے پیش کیا۔"[1]

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[2]

(اور البتہ تحقیق ہم نے ہر امت میں یہ پیغام دے کر رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو)

انبیاء کا مقصد محض عبادت کا تصور پیش کرنا نہیں تھا بلکہ اصل خالق حقیقی کی پہچان کروانا تھا۔ کیونکہ انسان عبادت تو اس کی بھی کرتا تھا جو کہ اس کا خالق نہیں تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ عبادت کا تصور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنے اصل خالق حقیقی کی پہچان کروائی جائے۔ ہر نبی نے اپنی قوم کو توحید کا سبق دیا۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ توحید اور عبادت الٰہی لازم وملزوم ہیں۔ قرآن پاک کے علاوہ بائبل کے مطالعے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں ہی انسان کا مذہب توحید تھا۔ پیدائش انسانی کی ابتداء سے ہی انسان کا اصل مذہب توحید تھا اور بعد میں جب لوگ عقیدہ توحید سے منحرف ہو گئے اور وہ شرک و بدعات کی تاریکی میں بھٹکنے لگے تو اصلاح کیلئے دنیا میں ہر قوم میں پیغمبر آئے اور لوگوں کو توحید کا درس دیتے رہے۔

مذہب کی ابتداء اسلامی نقطہ نظر سے

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب کا تصور انسان کی پیدائش سے پہلے ہی موجود تھا۔ ابھی انسان میں تولد وتناسل کے سلسلہ کی ابتداء بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی مقرر ہوئے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق تخلیق انسانیت کا مقصد اور اس کی غرض وغایت اسے خلافت سے نوازنا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[3]

(اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں)

تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کا مسکن بنایا اور پھر ان ہی سے ان کی زوجہ حضرت بی بی حوا علیھا السلام کو پیدا فرمایا جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں بیان ہوا۔

---

[1] پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۳۹۹ھ) ۶۲۴/۴

[2] النحل:36

[3] البقرہ:30

﴿وخلق منها زوجها﴾[1]

(اور ہم نے پیدا کیا اُس سے اس کی بیوی کو)

دونوں کا مسکن جنت قرار دیا گیا اور سب نعمتیں ان پر حلال قرار دی گئیں مگر ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کی نشاندہی کرتے ہوئے ان دونوں کو اس کے قریب جانے سے روکا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ولا تقربا هٰذه الشّجرة﴾[2]

(مگر اس درخت کے قریب مت جانا)

مگر شیطان جو ازل سے انسان کا دشمن قرار دیا گیا تھا، طرح طرح سے دونوں کو بہکانے کی کوشش کرنے لگا۔

﴿فازلّهما الشّيطن عنها﴾[3]

(پھر یہ ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا)

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت یاد نہ رہی جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔

﴿ولقد عهدنا الى ادم من قبل فنسى﴾[4]

(اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا پھر وہ بھول گیا)

اگر ہم مذکورہ بالا آیات کو مدنظر رکھیں کہ مذہب نام ہے کسی صحیح راستے کی طرف گامزن ہونے کا تو نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ساتھ انہیں جنت سے زمین پر بھیجنے تک مختلف ہدایات کے ذریعے ان کی رہنمائی فرمائی اور یہی مذہب کی ابتداء ہے۔ پھر آدم علیہ السلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک بے شمار انبیاء کرام اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ انبیاء کرام عبادات، معاشرت، معاشیات، سماجیات کے متعلق جو ہدایات لاتے رہے وہ سب مذہب کا حصہ بنتے گئے۔

الہامی و غیر الہامی مذاہب

مذاہب عالم کو الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ الہامی سے مراد وہ ادیان جو خدا، اس کے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیر الہامی سے مراد وہ ہیں جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو خدائے وحدہ لاشریک کی معین ہدایات کے تابع نہیں سمجھتے۔ مؤرخین مذاہب عالم نے مذاہب کی تقسیم دو اعتبار سے کی ہے۔[5]

[1] النساء:1

[2] البقرة:35

[3] ایضاً:36

[4] طٰہٰ:115

[5] فاروقی، عماد الحسن آزاد، دنیا کے بڑے مذاہب، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 2013ء)، ص 13

1. الہامی مذاہب		غیر الہامی مذاہب

2. سامی مذاہب		غیر سامی مذاہب

1. الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام جبکہ غیر الہامی مذاہب میں ہندومت، بدھ مت، جین مت، کنفیوشزم اور زرتشت وغیرہ شامل ہیں۔

2. سامی مذاہب سے مراد وہ مذاہب ہیں جو بنی اسرائیل و عرب میں پھیلے۔ لہذا ان میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ جبکہ غیر سامی مذاہب یعنی جو آریائی اور منگول نسل میں پھیلے ان میں بدھ مت، ہندومت، کنفیوشس ازم اور زرتشت وغیرہ شامل ہیں۔

اگرچہ مذاہب کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود انسان کی تاریخ پرانی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے جب اللہ تعالیٰ نے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تو نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور یوں مذہب کی ابتداء ہوگئی۔ جب سے انسان اس خاکدان ارضی پر آباد ہوا ہے اس کا گردوپیش کے مطابق کوئی نہ کوئی عقیدہ، نظریہ اور مذہب بہر حال موجود رہا ہے۔

ریاست کا آغاز وارتقاء

ریاست کے آغاز وارتقاء کے بارے میں مسلم مفکرین نے اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ابن خلدون[1] کے نزدیک کوئی معاشرہ جسے آپ اپنی اصطلاح میں "مجتمع" کہتے ہیں تین اسباب کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ آپ نے اپنے مقدمہ میں ان اسباب کی تفصیل کو یوں بیان کیا ہے۔

> ((الاولى فى ان الاجتماع الانساني ضروري ويعبر الحكماء عن هذا بقولهم الانسان مدنى بالطبع اي لابد له من الاجتماع الذى هو المدينة في اصطلاحهم و هو معنى العمران وبيانه أن سبحانه خلق الانسان وركبه على صورة لا يصح حياتها وبقاؤها الا بالغذاء وهداه الى التماسه بفطرته وبما ركب فيه من القدرة على تحصيله الاان قدرة الواحد من البشر قاصرة عن تحصيل حاجته من ذلك الغذاء غير موفية له بمادة حياته منه))[2]

(انسان کے لیے اجتماعی (زندگی) ضروری ہے۔ حکماء اس ضرورت کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ انسان میں طبعی طور پر مدنیت پائی جاتی ہے۔ یعنی انسان کیلئے اجتماعی (زندگی) لازمی ہے جسے حکماء کی اصطلاح میں مدنی (مزاج) کہتے ہیں۔ اور یہی عمرانیات کا مطلب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے ایسی صورت عطا فرمائی کہ غذا کے بغیر اس کی زندگی اور بقاء ممکن نہیں اور فطری طور پر اسے

---

[1] ابن خلدون (1332ء-1406ء) عالم اسلام کے مشہور ومعروف مورخ، فقیہ، فلسفی اور سیاستدان تھے۔

[2] ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمہ، (بیروت: مطبع الادبیہ، 1886ء،) ص46

غذا تلاش کرنے کی راہیں سمجھا دیں اور اسے ایسی قدرت بخشی کہ جس سے وہ روزی پیدا کر سکے۔ لیکن انسان تن تنہا اپنی غذائی ضرورت پورا کرنے سے قاصر ہے اور لوگوں سے الگ رہ کر اپنی زندگی قائم نہیں رکھ سکتا)

چنانچہ جب معاشرہ، سماج یا ابن خلدون کی اصطلاح میں "مجتمع" تشکیل پاتا ہے تو پھر وہ خود کو منظم کر کے ریاست کی تشکیل کرتا ہے۔ معاشرے کی تشکیل کے بعد انسان کے سب سے اہم ضرورت ریاست کی تشکیل ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کو مختلف شعبوں کی تنظیم کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے معاشرے کی تشکیل کے بعد ریاست کی تشکیل کو ضروری سمجھا گیا۔ دنیائے اسلام کے مشہور مفکر ابوالنصر الفارابی[1] (۹۵۰ء۔۸۷۲ء) اجتماع کے وجود کی وجہ انسان کا ایک دوسرے پر محتاج ہونا بیان کرتے ہیں۔ جس سے اجتماع وجود میں آتا ہے۔ آپ اپنی کتاب آراء اہل المدینہ الفاصلہ میں اس کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

" وكل واحد من الناس مقصور على أنه محتاج ، في قوامه ، وفي أن يبلغ أفضل كمالاته ، إلى أشياء كثيرة لا يمكنه أن يقوم بها كلها هو وحده ، بل يحتاج إلى قوم يقوم له كل واحد منهم بشيء مما يحتاج إليه ، وكل واحد من كل واحد هذه الحال . فلذلك لا يمكن أن يكون الإنسان ينال الكمال ، الذي لأجله جعلت الفطرة الطبيعية ، إلا باجتماعات جماعة كثيرة متعاونين ، يقوم كل واحد لكل واحد ببعض ما يحتاج إليه في قوامه ؛ فيجتمع ، مما يقوم به جملة الجماعة لكل واحد"[2]

(اور ہر شخص کو اپنی بقاء کے لیے اور اعلی کمالات تک پہنچنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے جسے وہ تن تنہا پورا نہیں کر سکتا بلکہ ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی ضروریات کو پورا کر سکیں اور ہر ایک کا یہی حال ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کمال تک پہنچ جائے، جس کے لیے فطری طبیعت پیدا کی گئی ہے مگر ایک بڑی جماعت کی اجتماعی معاونت کے ساتھ ہی یہ ممکن ہو سکے گا۔ ہر ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ ضروریات فراہم کرتا ہے تا کہ وہ برقرار رہ سکے)

لہذا مذکورہ بالا مفکرین کی آراء سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ انسانی اجتماع لوگوں کا ایک دوسرے پر فطری طور پر محتاج ہونے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے اور اسی انسانی اجتماع نے ریاست کو جنم دیا۔ انسان فطرتاً ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ معاشرتی لحاظ سے بے شمار کام وہ اکیلے نہیں کر سکتا۔ جس کے لئے اسے معاشرے اور ریاست کی ضرورت پڑتی ہے۔

قدیم ریاستوں کا مختصر تعارف

اگر ہم تاریخ کے اوراق میں دیکھیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سرسوتی تہذیب کے ہمعصر سمیریوں نے دنیا کی ابتدائی شہری ریاستیں قائم کیں جیسے کہ ارک، ار، لاگیش، ایسن، کیش، اما، ایریڈو، اداب، آشک، سپور، نیپور اور لارسا غالباً اریڈو یا ارک سب سے پرانے شہر تھے۔ ان چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں کے حکمرانوں کو وہ "اینسی" کہتے تھے۔

---

[1] ابوالنصر الفارابی نویں اور دسویں صدی عیسوی کے مسلم مفکر، فلاسفر اور ماہر سیاسیات تھے۔

[2] الفارابی، ابوالنصر محمد، **آراء اہل المدینہ الفاصلہ**، (مصر: المطبع المعادۃ، 1906)، ص 80-77

۱۔ مغربی ایشائی ریاستیں

The first state in the world was the state of Akkad, the names of whose rulers we find in the lists of kings written on tablets found in ruins for the first time in 2800 BC. Before 3500 BC, the Akkadian civilization was dominated by the Sumerians. However, in 2335 BC, the Akkadian ruler Sargon the Great captured Sumer and united all of Mesopotamia under the Akkadian Empire. [1]

(دنیا کی پہلی ریاست اکاد کی ریاست تھی جس کے حکمرانوں کے نام ہمیں کھنڈرات سے ملی تختیوں پر لکھی بادشاہوں کی فہرستوں میں پہلی بار سن 2800 قبل مسیح میں ملتے ہیں۔ 3500 قبل مسیح سے پہلے اکاد تہذیب پر سمیریوں کا غلبہ تھا۔ تاہم 2335 قبل مسیح میں اکاد حکمران سارگون اعظم نے سمیر پر قبضہ کر کے تمام میسوپوٹیمیا کو اکادی سلطنت کے ماتحت متحد کر دیا۔)

اس کے بعد تاریخ میں حوری ریاستیں جو کہ شمالی میسوپوٹیمیا میں تھیں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے لوگ کانسی کے دور میں ملحقہ علاقوں میں رہتے تھے۔ سب سے بڑی اور زیادہ متاثر کن حورین قوم میتنی کی بادشاہی تھی۔ ۱۴ویں صدی قبل مسیح تک میتنی کی سلطنت عروج پر تھی۔ [2]

میتنی کی ریاست کی بعد تاریخی ریاستوں میں بابلین کی ریاست کا تذکرہ ملتا ہے۔ بابلین کے 3 بڑے خاندان تھے: اموریٹ، کیسائٹ، اور کلدیئن۔ یہ سیاسی وجود میسوپوٹیمیا کے جنوبی حصے میں سب سے زیادہ غالب تھا۔ 612 قبل مسیح میں اسوری سلطنت کے خاتمے کے بعد، بابل سلطنت قدیم دنیا کی سب سے طاقتور ریاست تھی۔ اس کا دارالحکومت بابل تھا جس کو بادشاہ نبوکد نضر نے خوبصورتی سے سجایا تھا۔ نبوکد نضر نے بابل میں متعدد مشہور عمارتیں تعمیر کروائیں۔ [3]

۲۔ قدیم ایران کی ریاستیں

ہخامنشی سلطنت (قدیم فارسی: ہخامنشیہ) 559 قبل مسیح سے 338 قبل مسیح تک قائم ایک فارسی سلطنت تھی جو عظیم ایرانی سلطنتوں کے سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ ہخامنشی مملکت میں موجودہ ایران کے علاوہ مشرق میں موجودہ افغانستان، پاکستان کے چند حصے، شمال اور مغرب میں مکمل اناطولیہ یعنی موجودہ ترکی، بالائی جزیرہ نما بلقان (تھریس) اور بحیرہ اسود کا بیشتر ساحلی علاقہ شامل تھا۔ مغرب میں اس میں موجودہ عراق، شمالی سعودی عرب، فلسطین (اردن، اسرائیل اور لبنان) اور قدیم مصر کے تمام اہم مراکز شامل تھے۔ مغرب میں اس کی سرحدیں لیبیا تک پھیلی ہوئیں تھیں۔ 7.5 ملین مربع کلو میٹر پر پھیلی ہخامنشی سلطنت تاریخ کی وسیع ترین سلطنت تھی اور آبادی کے لحاظ سے رومی سلطنت کے بعد دوسری سب سے بڑی سلطنت تھی۔ یہ سلطنت 330 قبل مسیح میں سکندر اعظم کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ سلطنت کا پہلا حکمران کورش اعظم یا سائرس اعظم تھا جبکہ دارا سوم اس کا آخری حکمران تھا۔ ہخامنشی سلطنت کا دارالحکومت

---

[1] Coper F, States and Political Ideas in the World History, p. 128

[2] Ibid,p.132

[3] Ibid, p. 129

پرسیپولس یعنی تخت جمشید تھا جبکہ آتش پرستی ریاستی مذہب تھا۔ یہ یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہخامنشی دین زرتشت کو مانتے تھے۔ پھر بھی ایسے شواہد موجود ہیں کہ اس طرح کی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اریامن کے ایک نوشتہ اور دارااول کے ایک کتبہ میں اہورامزدہ کا نام آیا ہے، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ ہخامنشیوں کے اوئل میں ہی اس مذہب نے سرکاری مذہب کی حثیت اختیار کرلی تھی۔ سٹراپی جو ہخامنشی دور میں خشتران پوان Khshtr Pawan کہلاتا تھا۔ اس کی تقریری براہ راست بادشاہ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے حلقہ میں آزادنہ حکومت کرتا تھا اور صرف بادشاہ کو جواب دہ تھا۔ مرکزی انتظامات کے لیے اعلیٰ احکام مقرر تھے جو براہ راست بادشاہ کی ہدایات کے مطابق کام کرتے تھے۔ ایسے احکام کو بادشاہ کے درباریوں میں شمار کیا جاتا تھا۔[1]

۳۔ قدیم افریقی ریاستیں

تاریخ کے اوراق میں افریقہ میں مختلف قدیم ریاستوں کا وجود ملتا ہے۔ پرانی سلطنت کا دورانیہ 2686–2181 قبل مسیح ہے۔ پرانی سلطنت کے دوران، قدیم مصر میں اہرام کی عمارت تیسری سلطنت کے دوران بادشاہ جوسر کے دور میں شروع ہوئی۔ اس کے بعد نئی بادشاہی کا آغاز 1550 قبل مسیح میں ہوا جب بادشاہ احموس اول مصر کا بادشاہ بنا تو ہائکوس کو شکست دے کر مصر کو دوبارہ متحد کر دیا۔ نئی سلطنت کے فرعونوں نے اپنی سرحدیں محفوظ کر کے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ سفارتی تعلقات کو مستحکم کر کے غیر معمولی خوشحالی کا دور قائم کیا۔ تتوموسس اول اور اس کے پوتے تتوموسس II کے تحت چلائی جانے والی فوجی مہموں نے فرعونوں کے اثرورسوخ کو سب سے بڑی سلطنت تک بڑھایا۔[2]

افریقہ میں سب سہارا کی ابتدائی ریاست کے ساتھ ہی لوہا ہتھیاروں کو نافذ کرنے والی پہلی ریاست کشم کی ریاست تھی۔ میکروبیائی باشندے ایک قدیم لوگ اور مملکت تھے جو ہارن آف افریقہ میں 1 صدی قبل مسیح کے آس پاس موجود تھے۔ اس کے علاوہ اکسوم سلطنت شمال مشرقی افریقہ میں شمالی ایتھوپیا سے شروع ہونے والی ایک اہم تجارتی قوم تھی، جو پروٹوا کسیومائٹ کے دور سے بڑھتی تھی۔[3]

۴۔ قدیم ہندوستانی ریاستیں

ہندوستاں میں اگر ہم قدیم ریاستوں کی تاریخ دیکھیں تو نندا سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے۔ نندا سلطنت کا آغاز قدیم ہندوستان میں چوتھی صدی قبل مسیح میں ہوا تھا۔ ندوں کو کبھی کبھی ہندوستان کی ریکارڈ شدہ تاریخ میں سلطنت سازوں کا پہلا تعمیر کرنے والوں کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ نندوں نے شمالی ہندوستان پر بیشتر حکومت کی۔[4]

---

[1] https://ur.wikipedia.org/wiki/مذہب/ ایرانی سلطنت (11/10/2022)

[2] ڈوئیل، میگاواٹ، **سلطنتیں**، (نیویارک: کورنیل یونیوسٹی پریس، 1986ء)، ص: 142

[3] ایضاً، ص142

[4] خان۔اے، **ہندوستان کا تاریخی اٹلس**، (نیویارک: روزون پبلشرز، 2004ء)، ص76

اس کے بعد موریان سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے۔ موریان سلطنت پہلی سیاسی طاقت تھی جس نے برصغیر پاک و ہند کے بیشتر حصہ کو متحد کیا اور ایشیاء میں وسعت دی۔اس کا ثقافتی اثر ورسوخ مغرب میں مصر اور شام تک،اور مشرق میں تھائی لینڈ،چین اور برما تک پھیل گیا۔ سلطنت کی بنیاد چندر گپت موریہ نے 322 قبل مسیح میں رکھی تھی۔ موریا سلطنت کے بعد شونگا سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے۔ شونگا سلطنت ایک مگدھا خاندان ہے جس نے شمال مشرقی اور مشرقی ہندوستان کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کے حصے کو تقریبا 185 سے 73 قبل مسیح تک کنٹرول کیا۔ یہ ہندوستانی موریہ سلطنت کے خاتمے کے بعد قائم کیا گیا تھا۔ شونگا شہنشاہ کا آخری باب دیو بھوٹی (83–73 قبل مسیح) تھا۔[1]

شونگا ریاست کے زوال کے بعد چولا سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے۔چولا سلطنت نے ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیاء کے بیشتر حصے پر حکومت کی۔ چولا بادشاہ نہایت معمولی معمار تھے اورانہوں نے اپنی ریاستوں میں موجود مندروں کی نہ صرف عبادت گاہوں کے طور پر بلکہ معاشی سر گرمیوں کے مراکز کے طور پر تصور کیا تھا۔ انہوں نے حکومت کی مرکزی شکل اختیار کی اور نظم وضبط بیورو کریسی قائم کی۔ جب چولا سلطنت زوال کا شکار ہوئی چوتھی اور پانچویں صدیوں میں، گپتا سلطنت نے ہندوستان کے بیشتر حصے کو متحد کیا۔اس دور کو ہندوستان کا سنہری دور کہا جاتا ہے اور اس میں سائنس، ٹکنالوجی، انجینئرنگ، آرٹ، جدلیاتی، ادب، منطق، ریاضی، فلکیات، مذہب اور فلسفے کی وسیع کامیابیوں کی نشاندہی کی گئی تھی جس نے عام طور پر ہندو ثقافت کے نام سے جانے جانے والے عناصر کو کرسٹل کر دیا۔ چندر گپتا اول، سمودرا گپت، اور چندر گپتا دوم گپتا خاندان کے سب سے قابل ذکر حکمران تھے۔[2]

۵۔قدیم چینی ریاستیں

تاریخ کے اوراق چین میں بیشتر قدیم ریاستوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔شانگ خاندان یا ین خاندان نے روایتی تاریخ کے مطابق دوسری صدی قبل مسیح میں پیلا دریائے کی وادی میں حکمرانی کی ۔اس نے زیازیان کی سلطنت حاصل کی۔ شینگ کا کلاسیکی اکاؤنٹ کلاسیکی تاریخ کی تاریخ، بانس انالس اور گرینڈ ہسٹورین آف ریکارڈز جیسے متن سے آتا ہے۔لیوزن کے لگ بھگ 2،000 سال پہلے کے حساب کتاب پر مبنی روایتی تاریخ کے مطابق شانگ نے 1766 قبل مسیح سے لے کر 1122 قبل مسیح تک حکمرانی کی لیکن بانس انالس کے "موجودہ متن" پر مبنی تاریخ کے مطابق انہوں نے 1556 قبل مسیح سے لے کر 1046 تک حکمرانی کی۔ لہذا چین کی تاریخ میں قدیم ریاستوں میں شانگ خاندان کی ریاست سب سے قدیم تصور کی جاتی ہے۔[3]

After the state of the Shang dynasty, the state of the Zhou dynasty is mentioned. The Zhou dynasty was a Chinese dynasty. This period of Chinese history was considered by many to be an ornament made of Chinese bronze. The Chen dynasty was preceded by the feudal Zhou dynasty and followed by the Han dynasty in China. The unification of China under the First Emperor Qin Shi Huang

---

[1] ایضا، ص76

[2] ایضاً، ص77

[3] Turchin, Peter, East-West Orientation of Historical Empires, Journal of World Systems Resarch, June (2020), p: 12

in 221 BC marked the beginning of Imperial China, a period that lasted until the fall of the Qing Dynasty in 1912. The Han Dynasty (206 BC - 220 BC), which lasted for 400 years, is generally considered the greatest period in Chinese history within China.[1]

(شانگ خاندان کی ریاست کے بعد چاؤ خاندان کی ریاست کا تذکرہ ملتا ہے۔ چاؤ خاندان ایک چینی خاندان تھا۔ چینی تاریخ کے اس دور نے بہت سے لوگوں کو چینی کانسی سے بنوانے کی زینت سمجھا۔ چن راج سے پہلے جاگیر دار چاؤ خاندان تھا اور اس کے بعد چین میں ہان خاندان تھا۔ پہلا شہنشاہ کن شی ہوانگ کے ماتحت 221 قبل مسیح میں چین کے اتحاد نے امپیریل چین کی شروعات کا آغاز کیا، یہ دور 1912 میں چنگ راج کے خاتمے تک قائم رہا۔ ہان خاندان (206 قبل مسیح - 220 قبل مسیح)، جو 400 سال تک چلتا ہے، کو عام طور پر چین کے اندر چین کی تاریخ کا سب سے بڑا ادوار سمجھا جاتا ہے۔)

۶۔ قدیم یورپی ریاستیں

یورپ میں اگر ہم قدیم ریاستوں کے بارے میں تاریخ کی کتب کی ورق گردانی کریں تو پانچویں صدی میں ایتھنز کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب پانچویں صدی کا آغاز ہوا تو آزاد شہروں کے اتحاد کے طور پر جو آغاز ہوا وہ آہستہ آہستہ ایک ایتھنیا کی سلطنت بن گیا۔ اس کے بعد سپارٹا ایک ڈورین یونانی فوجی ریاست تھی جو اصل میں لاکونیا میں واقع تھی۔ اسپارٹا شہر میں مرکز وسیع تر شہر ریاست کا نام تھا۔ اپنی طاقت کے عروج پر اس نے بہت ساری کلیدی یونانی ریاستوں کو مات دیدی۔ پانچویں صدی کے آخر تک وہ ایک ایسی ریاست کی حیثیت سے کھڑی ہو گئی جس نے فارس اور ایتھنیائی سلطنتوں دونوں کو جنگ میں شکست دی تھی۔[2]

ایتھنز کے بعد مقدونیہ مغرب میں ایپیروس اور مشرق میں قدیم تھریسی اور ریسیئن بادشاہی کی سرحد سے ملحق قدیم یونان کے شمالی حصے میں ایک قدیم سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک مختصر عرصے کے لئے یہ اسکندر اعظم نے یونانی تاریخ کے ہیلینسٹک عہد کا افتتاح کرنے کے بعد پوری اسکیمینیڈ سلطنت سمیت زیادہ تر مشہور دنیا کو فتح کرنے کے بعد دنیا کی سب سے طاقتور ریاست بن گئی۔ سلوقی سلطنت ایک ہیلیانسٹک سلطنت تھی اور سکیمن اعظم کے حملے کے بعد اس کے سابقہ باقیات والے اچیمینیڈ فارسی سلطنت کا خاتمہ ہوا تھا۔ سیلیوسیڈ سلطنت قریب مشرق میں مرکوز تھی۔ ٹولیک سلطنت، جسے بعض اوقات لیگڈس بھی کہا جاتا ہے، ایک یونانی تھا۔ ٹولیک مملکت ایک طاقتور، ہیلینسٹک ریاست تھی جو مشرق میں جنوبی شام سے لیکر مغرب تک، اور جنوب میں نوبیہ کے ساتھ سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ رومن سلطنت کو وسیع پیمانے پر قدیم یورپ کی سب سے بڑی اور طاقتور تہذیب کہا جاتا ہے۔ پنک وار کے بعد روم سیارے کی سب سے بڑی سلطنت میں سے ایک تھا۔ اس کی حکمرانی کے دوران، اس نے یورپ سے لے کر جنوبی بلقان تک کے علاقوں کو فتح کیا۔[3]

---

[1] Turchin, Peter, East-West Orientation of Historical Empires, p: 13

[2] Taageera, Rein, Size and Duration of Empires: Growth-Decline, Curves, (Cambridge: Cambridge University Press, 2016), p: 178

[3] Ibid, p.179

اس فصل کی بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے مل جس کیلئے معاشرے کو وجود دیا۔ مل جل کے رہنے کے اجتماعات بڑھتے بڑھتے چلے گئے تو ریاستیں وجود میں آئیں۔ انسان کے اجتماع کی صورت میں رہنے کی ضرورت نے تاریخ میں میسوپوٹیمیا، بابلین کی ریاست، مدین، پران اور موریہ جیسی قدیم ریاستوں کو جنم دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہب انسان کی زندگی کی اولین ضرورت ہے۔ ہر دور میں انسان کسی نہ کسی ذات یا مظاہر کی پرستش کرتا رہا ہے۔ انسان ہمیشہ ایک خدا کے تصور پر یقین رکھتا تھا ۔ لیکن بعد ازاں ایک خدا کے تصور کی صورت کو بگاڑ دیا گیا بے شمار خدا بنائے گئے۔ لوگ مظاہر قدرت کی پرستش کرنے لگے۔ انسانیت اس حالت تک گر گئی کہ حیوانات، اوتان اور آگ کی پرستش کی جانے لگی۔ الغرض انسان نے جس کو اپنے لئے فائدہ مند پایا اس کی پرستش شروع کر دی۔ لیکن اسلام کا نقطہ نظر سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اصلاح کیلئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور توحید کی تعلیم بنی آدم تک پہنچتی رہی۔

فصل دوم: اسلامی ریاست کے بنیادی عوامل اور عدم استحکام کے اسباب

فصل دوم

اسلامی ریاست کے بنیادی عوامل اور عدم استحکام کے اسباب

دین اسلام انسان کی روح وبدن دونوں کی فلاح و اصلاح اور تمام تقاضوں کی تکمیل کا داعی ہے۔ اسلام جہاں اخلاقیات کے ذریعے روح کو بالیدگی عطا کرتا ہے وہیں سیاست مدن کا ایک مکمل اور جامع نظام وضع کرتا ہے۔ یہ نظام انفرادی واجتماعی بدنی ضروریات کی تکمیل کا ضامن ہے۔ سیاست اقوام کی رہبری و رہنمائی کا مکمل لائحہ عمل ہے جو کہ بنیادی حقوق کے تحفظ کی خاطر وجود میں آتا ہے۔سیاست کے لغوی معنیٰ ومفہوم میں ہر قسم کی کجی وبگاڑ کی اصلاح شامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی اصلاح کی خاطر حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ اور نگران کے طور پر مبعوث ہوئے۔یہی سلسلہ چلتا چلتا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر تہذیب وتمدن سے عاری اور انسانی حقوق سے ناآشنا معاشرے کی جس طرح اصلاح کی قیامت تک اس کی نظیر نہیں ملے گی۔اسلامی نظام سیاست وریاست کی تشکیل کیلئے چند اصول فراہم کرتا ہے جن کو ملحوظ خاطر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ان اصولوں پر عمل کے نتیجے میں ریاست کی منفرد پہچان اور اسلامی تشخص واضح ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست کے بنیادی عوامل

1. مقتدر اعلیٰ

ریاست کی تشکیل مقتدر اعلیٰ ایک اہم مقام ہے۔دیگر نظام ہائے سیاست میں یہ مقام کسی فرد یا واحد جماعت کو حاصل ہوتا ہے مگر اسلامی نظریے کے مطابق یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔چونکہ وہی خالق کائنات ہے اس لئے زمین وآسمان کی بادشاہی اسی کو زیبا ہے۔کلی اختیار واقتدار کا مالک، غیر جوابدہ اور اور تمام عیوب سے منزہ مقدس ذات اسی کی ہے۔قرآن مجید کی متعدد آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾[1]

(فرمادیجئے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا)

خالق وحاکم ہونا اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔اس کے سوا نہ کوئی ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر حکم کرنے کا حق حاصل ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم کا کوئی شعبہ کسی دوسرے کے سپرد کیا جائے۔حقیقت کے اعتبار سے وہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔

---

[1] المؤمنون:88

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ ٱلْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ ٱلْفَٰصِلِينَ﴾[1]

(بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں وہی حق بیان فرماتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے)

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے محمد تقی فرماتے ہیں

"فیصلے کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔ وہ چاہے تاخیر کرے، چاہے تعجیل کرے۔ جی ہاں! فیصلہ خواہ تکوینی ہو یا تشریعی صرف اللہ کرتا ہے۔ اگر کسی اور کی طرف کوئی فیصلہ منسوب ہو تو وہ اس لیے ہوتا ہے، چونکہ اللہ کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ حق بیان کرنے کے بعد مہلت دی جاتی ہے۔ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کے نائب اور نمائندے ہونے کی حیثیت سے فائز ہوئے۔ ان کے بعد یہ خلافت ان کو حاصل ہے جنہیں 'اولی الامر منکم' سے تعبیر اور ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔"[2]

خلافت ارضی اس اصول کے مطابق اسلامی ریاست کے سربراہ کو نیابت رسول حاصل ہوتی ہے۔ سربراہ مملکت اپنے اختیارات مقتدر اعلیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔

2. خلافت انسانی

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ومالک اور حاکم اعلیٰ ہے۔ انسان کی حیثیت اس کے نمائندے اور خلیفہ کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حاکمیت واقتدار اعلیٰ کے غلبہ اور نفاذ کی خاطر انسان کو بطور خلیفہ پیدا کیا گیا ہے۔ پس جب انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس کیلئے لازم ہو گیا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری میں گزارے۔ اپنے تمام انفرادی واجتماعی امور و معاملات اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق طے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا۔

﴿يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ﴾[3]

(اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے سو تو انصاف کے ساتھ حکم کیا کر اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کر وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی)

---

[1] الانعام:57

[2] محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن (کراچی: مکتبہ معارف القرآن ۲۰۱۹ء)۱/۳۹۵

[3] ص:26

ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی وضاحت یوں بیان فرماتے ہیں

"زمین پر خلیفہ بننے سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ لوگوں کے درمیان حق اور عدل و انصاف کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفۃ اللہ وہ ہوتے ہیں جو زمین میں اللہ کی شریعت کا نفاذ کریں اور شریعت کے نفاذ میں سر فہرست، لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے اور خواہش کی پیروی نہ کریں۔ بعض نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اس میں اشارہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کی طرف کہ ان سے فیصلہ خواہش کے مطابق ہوا تھا۔ یہ درست نہیں ہے۔ اسی قسم کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ہوا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خواہشات سے بچنے کے مکلف نہیں ہیں، ان کی طرف امر و نہی کا حکم نہیں آتا اور وہ گناہ کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتے۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام بھی باقی لوگوں کی طرح مکلف ہیں اور گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود گناہ نہیں کرتے۔"[1]

3. معیار قیادت واہلیت اور تفویض اختیارات

اسلامی ریاست کی تشکیل میں قیادت واہلیت کا اعلیٰ معیار قائم کرنا ہے۔ اہل اسلام کا قائدان کا بہترین اور فہم و فراست، تقویٰ و للہیت اور صلاحیت کے لحاظ سے فائق تر فرد ہوتا ہے۔ جس کا ہر عمل امت کی فلاح و صلاح کی ضمانت سمجھی جاتی ہے۔ قیادت کا اعلیٰ معیار طے کرنے کے بعد تفویض اختیارات ریاست کی تشکیل کا اہم اصول رہا ہے۔ تفویض اختیارات کا مطلب یہ ہے کہ حامل عہدہ ان امور اور معاملات میں آزادانہ تصرف کا حقدار ہو اور وظائف کی ادائیگی میں ہر وقت امیر کی اجازت کا منتظر نہ ہو جو اسے بطور نیابت سربراہ مملکت کی جانب سے حاصل ہوتے ہیں۔ ریاستی نظم و نسق مقرر طریقہ پر رواں دواں رہنا معاشرتی عدل و انصاف، مساوات، حریت اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کا باعث ہے۔ وزیر یا معاون کی تقرری کا اشارہ موسیٰ علیہ السلام کی باری تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو شریک کار بنانے کی درخواست سے ملتا ہے۔ الماوردی تفویض اختیارات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

((و لان ما وكل به الى الامام من تدبير الامة لا يقدر على مباشرة جميعه الا بالاستنابة ، و نيابة الوزير المشارک له فى التدبير اصح فى تنفيذ الامور من تفرده بها ، ليستظهر به على نفسه ، و يها يكون ابعد من الزلل ، و امنع من الخلل-))[2]

(امت کا نظم و نسق چلانے کیلئے امام پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں بدوں نیابت ان کی ادائگی ممکن نہیں۔ شریک کار وزیر کا نائب بنا کر اختیار سونپنا زیادہ درست ہے تاکہ امیر کیلئے سہولت بھی اور اس کے ذریعے لغزش اور خلل واقع ہونے سے بچاؤ بھی ہو۔)

---

[1] اسرار احمد، **بیان القرآن** (پشاور: انجمن خدام القرآن ۲۰۰۹ء) ۱۳۹۵/۳

[2] الماوردی، علی بن محمد بن محمد، **الاحکام السلطانیہ**، (قاہرہ: دار الحدیث، 1050ء)، ص30

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدوں پر فائز افراد کو یہ باور کرایا کہ یہ مناصب کسب دنیا یا جاہ ومال کے نہیں بلکہ امانت مسؤلیت کا بار گراں ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی خطے کی حکومت کی خواہش ظاہر کی تو ارشاد فرمایا۔

((يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا-))[1]

(اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ ایک امانت ہے اور قیامت کے دن رسوائی۔ مگر یہ کہ کوئی شخص برحق طریقے سے حاصل کرے اور جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں ٹھیک ادا کرے۔)

لہذا اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داری میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ریاستی مناصب پر ایسے افراد کا چناؤ کرے جو حقیقی مقاصد سے آشنا، امانت و دیانت کے پیکر اور باصلاحیت ہوں تاکہ مناصب سے انصاف کرتے ہوئے عوام الناس کیلئے سہولت پیدا کر سکیں۔

4. ادارہ تنقید و محاسبہ کا قیام

اسلامی ریاست کی تشکیل میں حکام کے محاسبہ کیلئے ادارہ تنقید محاسبہ کا قیام ایک اہم جز ہے۔ تنقید، محاسبہ اور معزولی ایک ہی عمل کے مختلف مراحل ہیں۔ وزراء اور عمال کے تقرر کے بعد ان کا محاسبہ اور نگرانی بھی ریاست مدینہ کی عظیم الشان روایت رہی ہے۔ تنقید سے شروع ہونے والا عمل محاسبہ کے ذریعے قصوروار ثابت ہونے کے نتیجے میں صاحب منصب کی معزولی پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت ہر فرد پر لازم ہے کہ بقدر استطاعت برائی کے سد باب میں اپنا کردار ادا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))[2]

(جو تم میں سے برائی دیکھے اسے چاہیے کہ بزور بازو اسے روکے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو اس کے خلاف آواز اٹھائے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔)

خلفاء راشدین کا اپنے آپ کو کھلے دل سے احتساب کے لئے پیش کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی فرد مطلق العنان اور باز طلبی سے مستثنی نہیں۔ مال غنیمت کی چادروں کی تقسیم کے بارے میں ایک عام شہری خلیفہ راشد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر

---

[1] مسلم، ابوالحسین بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کراهة الامة بغیر ضرورة، (ریاض، بیت الافکار الدولیة، 1998ء)، ح1825

[2] مسلم، الصحیح، کتاب لایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر، ح49

سوال اٹھاتا ہے۔آپ اطمینان سے اسے سنتے ہیں اور اپنے بیٹے کی زبانی حقیقت بیان کر کے اعتراض دور کر دیتے ہیں۔احتساب کے نتیجے میں کوتاہی اور غفلت کے مرتکب افراد کی معزولی بھی ریاست مدینہ کی ایک اصولی روش ہے۔

5. شوریٰ کا قیام

اسلامی ریاست کی تشکیل میں شوریٰ کے نظام کا قیام بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اسلامی ریاست کا پورا نظام اہل ایمان کے باہمی مشورے سے چلتا ہے۔چنانچہ مشورے کے قرآن مجید میں دو جگہ صریح اور نہایت واضح طور پر آیا ہے۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ﴾[1]

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کام میں مشورہ لیجئے۔پھر جب آپ مشورے کے بعد کسی بات کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔)

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا۔

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾[2]

(اور ان کے امور باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں۔)

"اجتماعی امور میں دوسروں کے تجربات اور بہت سی عقلوں سے فائدہ اٹھانے کا نام مشورہ ہے۔باہمی مشاورت جیسی کوئی پشت پناہ نہیں۔مشورہ ان امور میں لیا جاتا ہے جو بقول مولانا شبیر احمد عثمانی قرآن وسنت میں منصوص نہ ہوں۔جو چیز منصوص ہو اس میں رائے ومشورہ کی گنجائش نہیں ہے اور غیر معقول ہو گا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم دیں اور لوگ مشورے سے اس کے خلاف فیصلہ دیں۔مشاورت ان اجتماعی امور سے متعلق ہے جو شریعت سے متصادم نہیں۔"[3]

ریاست مدینہ کے دفاعی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی معاملات مجلس شوریٰ کے مشورے سے طے کئے جاتے رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تقرر بھی باہمی مشورے سے ہوا۔

6. عدلیہ کا قیام

اسلامی ریاست کی تشکیل میں عدلیہ سب سے اہم شعبہ ہے۔عدل کے لغوی معنیٰ آپس کے حقوق میں برابری کرنے کے ہیں۔یعنی آپس کے حقوق ادا کرتے وقت ظلم کو چھوڑ دینا اور حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا،اس لئے لوگوں میں نزاعی معاملات میں انصاف

---

[1] آل عمران:159

[2] الشعری:38

[3] شفیع عثمانی، **معارف القرآن** (کراچی: مکتبہ معارف القرآن ۲۰۰۸ء)۶۷۶/۷

کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کہلاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں بھی عدلیہ کا قیام ضروری ہے تاکہ رعایا میں اگر کسی کے ساتھ ظلم ہو یا حقدار کا حق اس کو نہ پہنچایا جائے تو اس کا ازالہ ہو سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِٱلْعَدْلِ﴾ [1]

(جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ﴾ [2]

(بے شک اللہ تمہیں عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

ریاست کا اہم شعبہ عدل کا ہے۔ قوانین خواہ کتنے ہی عمدہ اور بہترین کیوں نہ ہوں اور انتظامیہ کیسی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، جب تک تنازعات کا فیصلہ صحیح اور بروقت نہ ہو، حقدار کو اس کا حق نہ دیا جائے اور ظالم کو ظلم سے نہ روکا جائے اس وقت تک ریاست میں امن کا قیام محال ہے۔ اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کے معاملے میں کسی قسم کا امتیاز روا رکھنے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ سب انسان برابر ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، دوست ہوں یا دشمن۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يا أَيُّها الَّذين آمَنوا كُونُوا قَوَّامين لله شُهداء بالْقسط ولا يَجْرمَنَّكُمْ شنآنُ قومٍ على أَلَّا تَعْدلُوا اعْدلُوا هُوَ أَقْرَبُ للتَّقْوى واتَّقُوا اللَّهَ﴾ [3]

(اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف سے گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو اور عدل کیا کرو یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔)

لہذا اسلامی ریاست کی تشکیل کیلئے عدلیہ کا قیام ناگزیر ہے۔ ریاست کے افراد میں عدل کو یقینی بنانے کیلئے عدلیہ کا قیام ضروری ہے۔

7. خارجہ امور کا نظام

اسلامی ریاست کی تشکیل میں اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے کہ ریاست کے بین الاقوامی سطح پر دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کیسے ہونگے۔ ان تمام معاملات کو سنبھالنے کیلئے خارجہ امور کے نظام کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کو چاہیے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسی قرآنی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور ہدایات کی روشنی میں مرتب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دوست اور دشمن معاملات طے کرنے کے احکامات دیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] النساء:57

[2] النحل:90

[3] المائدہ:8

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[1]

(اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی جو کوئی ان کو دوست بنائے گا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے دوستی اور دوستوں جیسی معاشرت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ باہمی اختلافات کے باوجود کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہیں۔ اسلامی ریاست اگر کسی فریق کے ساتھ معاہدہ کرے اور وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرے قرآن کریم معاہدے کی اعلانیہ تنسیخ کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾[2]

(اور اگر کسی قوم کی طرف سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بے شک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔)

اگر فریق اپنے رویے پر پشیمان اور صلح پر تیار ہو جائے تو اسلامی ریاست کیلئے جائز نہیں کہ خون ریزی جاری رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾[3]

(اور اگر وہ کافر صلح کیلئے جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔)

8. دفاعی نظام کا قیام

ریاست کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ دفاعی نظام کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ریاست کی بقاء کے لئے جہاں داخلی انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بیرونی خطرات سے بچاؤ کیلئے اقدامات کرنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً جنگی تیاریاں، فوجی تربیت، اسلحہ اور ہتھیاروں کی تیاری مضبوط ریاستی دفاع جنگ سے بچنے کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ اسلامی ریاست کو جنگی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔

اس معاملے میں ذراسی غفلت اور کوتاہی بہت بڑی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً﴾[4]

[1] المائدہ:51
[2] الانفال58
[3] ایضا:61
[4] النساء:102

(اور کافر چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے بے خبر رہو تاکہ وہ یکبارگی تم پر حملہ کریں۔)

امین احسن اصلاحی اس آیت کی ضمن میں فرماتے ہیں کہ

"یعنی یہ احتیاط جس کا حکم تمہیں دیا جارہاہے، محض دنیوی تدابیر کے لحاظ سے ہے، ورنہ دراصل فتح و شکست کا مدار تمہاری تدابیر پر نہیں بلکہ اللہ کے فیصلہ پر ہے۔ اس لیے ان احتیاطی تدبیروں پر عمل کرتے ہوئے تمہیں اس امر کا یقین رکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کررہے ہیں، اللہ انہیں رسوا کرے گا۔"[1]

ان ہدایات کے ذریعے اسلامی ریاست کو متوجہ اور متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ دفاعی نظام کا قیام عمل میں لاکے اپنے دشمنوں سے چوکنا اور ہوشیار رہیں۔ اس ضرورت کیلئے جس قدر وسائل ممکن ہوں ان کو مہیا کرنا چاہیے۔ قرآن کریم نے اسلامی ریاست کو دفاع اور کفار کے مقابلے کیلئے سامان جنگ کی تیاری کے حکم کے ساتھ 'جس قدر تم ہو سکے' کا امر دیا ہے۔ پھر اللہ پر بھروسہ رکھو تو اس کی تائید و نصرت ساتھ ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِن قُوَّةٍ وَمِن رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾[2]

(اور ان کے لئے جو قوت بھی تمہاری استطاعت میں ہو تیار رکھو اور سرحدوں کی حفاظت کیلئے گھوڑ سواروں کے دستے جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو)

9. معاشی نظام کا قیام

ریاست کی تشکیل میں معاشی نظام کا قیام اہم جز ہے۔ اسلام نے جو اقتصادی نظام دیا ہے وہ اپنی افادیت کی بنیاد پر دنیا کا بہترین اقتصادی نظام ہے۔ اسلامی ریاست کے نظامِ معیشت کے لئے اسلام نے مختلف اقدامات بتائے ہیں جس سے ایک بہترین معیشیت کے نظام کو قائم کیا جاسکتا ہے۔ درج ذیل اقدامات اسلامی ریاست کی معیشت کا حصہ ہے۔

(الف) دولت کی منصفانہ تقسیم

اسلامی ریاست کی تشکیل کے دوران معیشت کے نظام کے قیام میں اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں۔ دولت مند طبقہ وسائل رزق پر قابض نہ ہو۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ دولت کسی خاص طبقہ میں یا چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جائے بلکہ وسیع پیمانے پر دولت کی گردش ضروری ہے۔ اس لئے اسلام میں ایک دوسرے کے استحصال کی سخت ممانعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، **تدبر القرآن** (لاہور: فاران فاونڈیشن ۲۰۰۹ء) ۲/۴۰
[2] الانفال: 60

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ﴾[1]

(اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق نہ کھایا کرو، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارتی لین دین ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔)

اسلام تقسیم دولت کا ایسا فطری اور قابل عمل طریقہ بتاتا ہے کہ جس کے تحت ہر شخص کو اپنے کسب سے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جائز اور مناسب حق مل سکے۔ چنانچہ اجرتوں کے تعین اور تنخواہوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملازمین کی اتنی تنخواہیں اور اجرتیں مقرر کرے جس سے زندگی کی بنیادی ضرورتیں آسانی سے میسر آسکیں۔

(ب) زکوۃ کا نفاذ

نظامِ معیشت کے قیام میں زکوۃ ایک اہم جز ہے۔ ریاست میں معاشی اعتبار سے توازن پیدا کرنے اور غربت کا خاتمہ کرنے کا اہم ذریعہ زکوۃ کا نفاذ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومتی سطح پر اس کی وصولی اور تقسیم کا نظام نافذ فرمایا اور اس کی تفصیلات مہیا فرمائیں۔ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوۃ کے حکم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾[2]

(اور اللہ نے مجھے زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔)

نماز اور زکوٰۃ یعنی بندگی اور بندہ نوازی، تمام ادیان الٰہی کی تعلیمات میں ستون کی حیثیت رکھتی ہیں۔انبیاء علیہم السلام نے مہد سے لحد تک اپنی پوری زندگی ان دو چیزوں کو عام کرنے پر صرف فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زکوۃ کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾[3]

(آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور آپ ان کیلئے دعا کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہو گی۔)

لہذا اسلامی ریاست میں مستحق افراد کو زکوۃ کی فراہمی یقینی بنائی جائے جو کہ معاشی بدحالی کا شکار ہوتے ہیں۔

---

[1] النساء:29

[2] مریم:31

[3] التوبہ:103

(ج)سود کی ممانعت

معیشت کے نظام کے قیام میں سود کی روک تھام ضروی ہے۔ سود معیشت کی تباہ کاریوں کی اصل وجہ ہے۔اسلام نے سود کی لعنت کو ختم کیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[1]

(اے ایمان والو! دوگنا، چوگنا، سود نہ کھاؤاور اللہ سے ڈروتاکہ فلاح پاؤ۔)

سود کی حرمت نازل ہوتے ہی بعض لوگوں نے سود اور بیع کو ایک جیسا قرار دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کی وضاحت فرمادی کہ سود اور بیع ایک جیسے نہیں ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾[2]

(جو لوگ سود کھاتے ہیں(قیامت کے روز)وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہونگے جس کے حواس شیطان نے لپٹ کر کھو دیے ہوں یعنی وہ حیران حواس باختہ کھڑے ہونگے۔یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو سود کی مانند ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیع کو سود سے الگ بیان فرمایا ہے اور اسلامی ریاست میں نظام معیشت کو بگاڑنے والے سود خوروں کے بد انجام اور حشر میں ان کی رسوائی و گمراہی کو بیان کیا ہے۔اسلامی ریاست کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے اس کو لاگو کیا جائے اور احکامات خداوندی کے ذریعے ریاست کا معاشی نظام چلایا جائے۔

اسلامی ریاست میں عدم استحکام کے اسباب

اسلامی ریاست کے عدم استحکام کا اصلی سبب اس نظریہ سے انحراف ہے جس کی بنیاد پر اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ دیگر اسباب مثلاً سیاسی بد نظمی، اقتصادی بدحالی، افتراق و انتشار اور فرقہ واریت دراصل اسی نظریہ سے انحراف کا عواقب و نتائج ہیں۔ذیل میں اسلامی ریاست میں عدم استحکام کے مختلف اسباب و وجوہات اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

1. شریعت اسلامی کا عدم نفاذ

اسلامی ریاست کے عدم استحکام کی بنیادی وجہ ریاست میں شریعت اسلام کا نفاذ نہ کرنا ہے۔ شریعت اسلامی کا نفاذ اسلامی ریاست کی حیات و بقاء کیلئے اتنا ضروری ہے جتنا کسی جسم کے زندہ رہنے کیلئے اس میں روح کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ایک اسلامی ریاست میں جس کی بنیاد اسلامی نظریہ پر ہے، سیکولر نظریات کی ترویج، نظام شریعت سے انحراف اور تہذیب مغرب کی اندھا دھند تقلید اسلامی

---

[1] آل عمران:131

[2] البقرہ:275

ریاست کے تحفظ، بقاء اور ارتقاء کی قطعاً ضامن نہیں ہو سکتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس قوم یا گروہ نے خود ساختہ نظاموں کے ذریعے زندگی کی گاڑی چلانے کی کوشش کی ہے اس میں ناکام ہوئے۔ لہذا حاکم کو چاہیے کہ ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کر کے شریعت اسلامی کا نفاذ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[1]

(یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں حکومت عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔)

دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[2]

(تم وہ بہترین جماعت ہو جسے نوع انسان کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیک کام کنے کرنے کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔)

مولانا مودودی اس آیت کی تشریح یوں کرتے ہیں

"یعنی صدر اسلام میں تم بہترین امت تھے۔ امر بمعروف نہی از منکر کرتے تھے۔ ایمان باللہ بھی مضبوط تھا۔ خطاب امت مسلمہ سے ہے کہ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ وہ اس امت میں شامل ہو جاتے۔ بہترین امت ہونے کا دار و مدار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وظیفے کی انجام دہی پر موقوف ہے۔ اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو امت مسلمہ کی بہتری کی وجہ اور علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں ساری امت شامل نہیں ہے بلکہ امت کا وہ گروہ مقصود ہے، جو اس ذمہ داری پر عمل کرتا ہے اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے۔ ان دو عظیم فرائض سے اسلام کا انسان ساز اور حیات آفرین نظام حیات اور دستور زندگی عملاً نافذ رہتا ہے اور نفاذ اسلام کا ذریعہ یہی دو عظیم فرائض ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کا ذکر، ایمان سے پہلے کیا گیا ہے۔"[3]

سیاسی جماعتوں کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد ریاست میں لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلانے اور برائی سے منع کر کے دین اسلام کو نافذ کرنے حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] الحج: 41

[2] آل عمران: 110

[3] مودودی، تفہیم القرآن: ۲۳۵/۱

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

(تم میں سے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے۔)

ان آیات میں اسلامی ریاست میں شریعت اسلامی کا نفاذ کر کے ریاست کو عدم استحکام کے شکار سے بچانے کا حل پیش کیا گیا ہے۔لہذا ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کے لئے شریعت اسلامی کا نفاذ نا گزیر ہے۔

2. نااہل اور غیر مخلص قیادت کا انتخاب

ریاست سیاسی، معاشرتی اور معاشی اعتبار سے عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے جب مخلص اور جرأت مند قیادت سے محروم ہو ۔ریاست کی قیادت جس قدر مخلص، راستباز ،دیانتدار اور قابل افراد کے ہاتھوں میں ہوگی اس قدر ریاست کیلئے مفید ثابت ہوگی۔ اسلامی ریاست میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ ایسی قیادت کا انتخاب ہے جو عوام کے مسائل کا ادراک نہیں رکھتی۔ جھوٹ دغابازی، منافقت اور وعدہ خلافی پر مبنی سیاست پائی جاتی ہے۔ قیادت دولت ،اقتدار، جاہ و منصب کی حرص اور طمع کا شکار ہوتی ہے۔ سیاست دانوں کی اکثریت دولت اور خاندانی اثر ورسوخ کی بناء پر اقتدار پر قابض ہوتی ہے۔ملک و قوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام تر صلاحیت و قابلیت کو دولت و شہرت کے حصول اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے میں صرف کرتی ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کو سیاسی عدم استحکام سے بچانے کیلئے اہل اور صادق وامین لوگوں کا انتخاب ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے بھی ریاست کی قیادت کیلئے امین لوگوں کو منتخب کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾[2]

(اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (یعنی اعتماد کی ذمہ داری) اہل امانت (یعنی امین لوگوں) کے سپرد کرو۔)

3. محاذ آرائی کی سیاست

اسلام ذاتی مفادات اور حصول اقتدار کی خاطر سیاسی جماعتوں کے بے ثمر و بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے۔کیونکہ اس کے نتیجہ میں محاذ آرائی، انتشار اور باہمی تعصب کی وجہ سے سیاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔اس قسم کی سیاست اقتدار سے محروم ہونے کی صورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام کو سرد کرنے کیلئے بے جا تنقید و مخالفت، احتجاج اور مظاہروں کے ذریعے افراتفری اور انتشار پیدا کرتی ہے۔جس سے ریاست کی سلامتی داؤ پر لگ جاتی ہے۔یہ طریقہ کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے سراسر خلاف ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[1] آل عمران:104

[2] النساء:58

((لَا تَسبُّوا الْوُلاةَ فإنَّهم إنْ أحسنوا كانَ لَهم الأجر وعَلَيْكُم الشُّكْر، وإنْ أساءوا فعَلَيهم الْوزر وعَلَيْكُم الصَّبر))[1]
(حاکموں کو نہ کوسو، کیونکہ اگروہ نیکی کرتے ہیں تو ان کیلئے اجر ہے اور تمہارے لئے موقع شکر اور اگروہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لئے موقع صبر ہے۔)

محاذ آرائی کی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں سمع وطاعت کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وإن استعمل عَلَيْكُمْ عبدٌ حبشي كَأَنَّ رَأْسَه زبيبةٌ))[2]
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنایا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح چھوٹا ہو۔)

اس لئے اسلامی ریاست میں سیاسی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں، ریاست کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں، ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو، جو اسلام اور ریاست دشمن طاقتوں سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتی ہوں اور لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتی ہوں ان پر پابندی لگائی جائے۔ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔

4. موروثی سیاست

جب اہلیت اور قابلیت کو بالائے طاق رکھ کر موروثی سیاست کو اپنایا جاتا ہے تو ریاست سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ موروثی سیاست میں ریاست کا نظام تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔اسلامی ریاست میں سیاسی استحکام کی تعلیمات ہمیں خلفائے راشدہ کی حکومت سے بھی ملتی ہے کہ انہوں نے سیاست کو موروثی نہیں بنایا۔جونہی خلافت ایک خاندان میں چل پڑی تو ملوکیت شروع ہو گئی۔ احتساب کا نظام غیر فعال ہو جاتا ہے۔جبکہ رسول اللہ ﷺ نے معروف کاموں میں پیروی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ارشاد نبوی ہے کہ

((لاَ طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ))[3]

(اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔اطاعت صرف معروف میں ہے۔)

---

[1] ابن الطقطقا، محمد بن علی بن طباطبا، الفخری فی الاداب السلطانية والدول الاسلامية، بیروت، دار صادر، ص:33

[2] بخاری، الصحيح، كتاب الأحكام ، باب السمع والطاعة للإمام، ح7142

[3] ابوداؤد، السنن، كتاب الجهاد، باب في الطاعة، ح2625

5. جاہ منصب کے حصول کی سیاست

اسلامی ریاست جب حکمران اصل مقصد کو بھول کر جاہ منصب کے حصول کیلئے سیاست کرتے ہیں تو ریاست انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔اس طرح سیاسی عدم استحکام جنم لیتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

((لَن (أَو) لاَ نَستَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ))[1]

(بخدا ہم اپنی اس حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو یا اس کا حریص ہو۔)

لہذا جاہ و منصب کے حصول کیلئے سیاست کرنا سیاسی عدام استحکام کو جنم دیتا ہے جو کہ ریاست کے عدم استحکام کا سبب بنتا ہے۔ سیاسی قیادت کو چاہیے کہ وہ اس منصب کو مقدس سمجھیں اور خدا کی طرف سے یہ امانت ہے جس کے بارے میں بروز قیامت باس پرس ہو گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾[2]

(اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (یعنی اعتماد کی ذمہ داری) اہل امانت (یعنی امین لوگوں) کے سپرد کرو۔)

6. قومیت پرستی

اسلامی ریاست میں قومیت پرستی عدم استحکام کا سبب بنتی ہے۔ تمام مسلمان ایک ملت ہیں۔ جب خاندان، قوم، قبیلے اور علاقے کی محبت تعصب کی شکل اختیار کرلے تو وہ ریاست کے لئے سخت مہلک ثابت ہوتی ہے۔قرآن کریم میں اسے 'حمیۃ الجاھلیۃ' کا نام دیا گیا ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہمیں قومیت پرستی سے باز رہنے کا درس ملتا ہے۔یہود و منافقین کی سازش کے نتیجے میں ایسی ہی صورتحال ایک موقع پر عہد نبوی میں پیش آئی۔جب ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان کسی مسئلہ پر تکرار ہوئی اور انہوں نے 'یا معشر الانصار' اور 'یا معشر المہاجرین' کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی کے ساتھ یہ کہہ کر اس فتنہ کو کچل دیا 'ما بال دعوی الجاھلیۃ' (یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((ليس منَّا مَنْ دَعَا الى عَصَبِيَّة وليس منَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً))[3]

(جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔)

---

[1] بخاری،الصحیح، كتاب استتابة المرتدين، باب حكم المرتد والمرتدة،ح6923

[2] النساء:58

[3] ابوداؤد،السنن،كتاب الآداب، باب في العصبية،ح5121

قومیت پرستی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عصبیت اسلامی ریاست کے وجود کیلئے ہمیشہ مہلک ثابت ہوئی۔ خلافت عثمانیہ اور مشرقی پاکستان کا سقوط انہی تعصبات کا نتیجہ ہے۔

7. مذہبی تفرقہ بازی

دوسری وجہ جس سے اسلامی ریاست کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہوتا ہے وہ مذہبی فرقہ واریت ہے۔ امت آج اسی صورتحال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی۔ اس وقت ہر مذہبی گروہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف کو حق سے کو منحرف خیال کرتا تھا۔ 'لیس علینا فی الامیین سبیل' کہہ کر فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد کرتا۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں سب و شتم، طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں سے گریز نہیں کرتے۔ ریاست کے استحکام کے لئے مذہبی تفرقہ بازی کی سرکوبی کرنی چاہیے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[1]

(اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو)

مذکورہ آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جس میں اہل عرب اسلام سے پہلے مبتلا تھے۔ یعنی قبائل کی باہمی دشمنیاں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شب و روز کے کشت و خون جن کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جاتی۔ اس آگ سے اسلام نے انہیں بچایا۔ اسی طرح آج کے دور میں اسلامی ریاست میں عدم استحکام کی وجہ بھی مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا بڑھ جانا ہے۔ اللہ کے حکم کے باوجود فرقہ واریت کو ہوا دینے والے سرگرم عمل ہیں۔

8. عدل کی عدم موجودگی

ریاست کے عدم استحکام میں عدل کی غیر موجودگی ایک بنیادی وجہ ہے۔ اس سے مراد ریاست میں غیر متوازن اور غیر عادلانہ نظام کا پایا جانا ہے جس میں ہر فرد، جماعت اور طبقے کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ ظلم اور ناانصافی کے سدباب کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ عوام کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ نہیں ہوتا۔ جس سے رعایا میں عداوتیں اور نفرتیں بڑھتی ہیں اور فتنہ و فساد کے کھلتے ہیں اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ ریاست کے استحکام کیلئے عدل کا تقاضا ہے کہ معاشرے کے کمزور افراد کو ظلم و استحصال سے بچایا جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ آج کل اسلامی ریاستوں میں ریاست کا بیشتر غریب طبقہ جاگیرداروں اور سرکاری افسران کے رحم و کرم پر ہے۔ ان کی جان و مال گروی اور عصمتیں غیر محفوظ ہیں۔ یہ تصور دور جاہلیت میں

[1] آل عمران:103

بھی تھا۔ بعض شرفاء عرب نے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کا مقصد ظلم و تعدی اور لوٹ گھسوٹ کو روکنا تھا۔اس معاہدے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سیرت کتب میں منقول ہیں۔

((لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفا ، لو دعيت به في الإسلام لأجبت ، تحالفوا أن يردوا الفضول على أهلها ، وأن لا يعد ظالم مظلوما))[1]

(میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدے میں شریک تھا۔ اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس میں بلایا جاتا تو میں ضرور اس میں شریک ہوتا۔ انہوں اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غالب نہ آسکے گا۔)

9. غیر مستحکم معیشت

اگر ریاست میں غیر مستحکم معیشت ہو، عوام زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم ہوں، گرانی کی وجہ سے اشیاء صرف عوام کی دسترس سے باہر ہوں، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہو تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ ریاست کے استحکام کے لئے معیشت کا مستحکم ہونا ضروری ہے۔ غیر مستحکم معیشت کی دو وجو اقسام ہیں۔ خارجی لحاظ سے اور داخلی لحاظ سے۔

(i) خارجی لحاظ سے معیشت کا غیر مستحکم ہونا

خارجی لحاظ سے اسلام دشمن عناصر نے اسلامی ریاست کی معیشت کو ہمیشہ غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔اس حقیقت سے اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ یہود سونے چاندی کے ذخائر پر قبضہ کر کے کاغذ کا نوٹ متعارف کروایا اور آئی۔ایم۔ایف، ورلڈ بینک اور سوئس بینک جیسے اداروں کے قیام سے تمام دنیا کا سرمایہ سمٹ کر ان کے قبضہ میں چلا گیا۔اس کے ذریعے نہ صرف اسلامی ریاست کی معیشت بلکہ عالمی اقتصادی معاملات کو کنٹرول کیا جا رہا ہے۔اس طرح مسلم ریاست کی معیشت اس کے اپنے کنٹرول میں نہیں اور دشمن قوتیں اس کی معیشت کو جب چاہیں غیر مستحکم کر کے ریاست کو عدم استحکام کا شکار کر سکتے ہیں۔

(ii) داخلی لحاظ سے معیشت کا غیر مستحکم ہونا

داخلی لحاظ سے معیشت کا غیر مستحکم ہونے سے مراد دولت کا ریاست میں چند ہاتھوں میں مرتکز ہونا، دولت مند طبقے کا وسائل پر قبضہ ہونا وغیرہ ہے۔اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ دولت کو چند ہاتھوں میں نہ رہنے دیا جائے بلکہ وسیع پیمانے پر دولت کی گردش ضروری ہے تاکہ امیر اور غریب کے درمیان تفاوت کو جس حد تک فطری طور پر ممکن ہو کم کیا جا سکے اور ریاست کو عدم استحکام سے بچایا جائے۔اس مقصد کیلئے ان راستوں کو بند کیا جائے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ ایک مخصوص طبقے کی طرف مڑ

---

[1] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، **الطبقات الکبریٰ**، 82/1

جائے مثلاً سود، جوا، ذخیرہ اندوزی، رشوت وغیرہ۔ کیونکہ جب دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے تو نظم معیشت بگڑتا ہے۔ ریاست میں دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ آنا اسلامی نقطہ نظر سے ایک بدترین اور سنگین جرم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾[1]

(اے ایمان والو! بہت سے راہب (یہودی اور عیسائی) لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔)

آیت کی تشریح کرتے ہوئے مفتی تقی فرماتے ہیں کہ

"لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، لیکن ان علماء کے حوالے سے خاص طور پر جو بات کہی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ رشوت لے کر لوگوں کی مرضی کے مطابق شریعت کو توڑ موڑ ڈالتے ہیں، اور اس طرح اللہ کے مقرر کئے ہوئے صحیح راستے سے لوگوں کو روک دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ آیت براہ راست ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بخل کی وجہ سے مال جمع کرتے رہتے تھے، اور اس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور ان کا اطلاق ان مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو مال و دولت اکھٹا کرتے چلے جائیں اور وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر عائد کئے ہیں جن میں سب سے اہم زکوۃ کی ادائیگی ہے۔"[2]

دوسری طرف دولت کو گردش میں رکھنے اور اس کے ثمرات کو عوام تک پہنچانے کیلئے متعدد اقدام کئے جانے کا حکم ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ معاشرے میں یوں گردش کرے جیسے خون رگوں میں گردش کرتا ہے۔ وہ نظام جس میں چند افراد بے زمام اور بے مہار ہو کر کھیل کھیلتے ہوں اور معاشرے کا خون چوستے ہوں اسلام اسے باطل نظام قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ نظام معیشت کے استحکام میں زکوۃ ایک اہم جز ہے۔ ریاست میں معاشی اعتبار سے توازن پیدا کرنے اور غربت کا خاتمہ کرنے کا اہم ذریعہ زکوۃ کا نفاذ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومتی سطح پر اس کی وصولی اور تقسیم کا نظام نافذ فرمایا اور اس کی تفصیلات مہیا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾[3]

(اور اللہ نے مجھے زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔)

---

[1] التوبہ: 34

[2] محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن: ۱/۵۶۵

[3] مریم: 31

معیشت کے استحکام کے لئے نہ صرف زکوۃ کا نفاذ کیا جائے بلکہ سود کی روک تھام بھی ضروی ہے۔ سود معیشت کی تباہ کاریوں کی اصل وجہ ہے۔اسلام نے سود کی لعنت کو ختم کیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[1]

(اے ایمان والو! دوگنا، چوگنا، سود نہ کھاؤاور اللہ سے ڈروتا کہ فلاح پاؤ۔)

ڈاکٹر اسرااحمد اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ

"جنگ احد کے موقع پر مکہ کے مشرکین نے سود پر قرض لے کر جنگ کی تیاری کی تھی،اس لئے کسی مسلمان کے دل میں بھی خیال ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی جنگ کی تیاری میں یہی طریقہ اختیار کریں،اس آیت نے انہیں خبر دار کر دیا کہ سود پر قرض لینا حرام ہے۔"[2]

سود کی حرمت نازل ہوتے ہی بعض لوگوں نے سود اور بیع کو ایک جیسا قرار دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کی وضاحت فرمادی کہ سود اور بیع ایک جیسے نہیں ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾[3]

(جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا ہے جس کے حواس جن نے لپٹ کر کھو دیے ہیں، یہ حالت ان کی اس لیے ہو گی کہ انہوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا۔)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیع کو سود سے الگ بیان فرمایا ہے اور اسلامی ریاست میں نظام معیشت کو بگاڑنے والے سود خوروں کے بد انجام اور حشر میں ان کی رسوائی و گمراہی کو بیان کیا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست میں معیشت کے استحکام کے لئے سود سے اجتناب ضروری ہے۔ جس سے معیشت مستحکم ہو جاتی ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار نہیں ہوتی۔

10. فواحش و منکرات کے مراکز

اسلامی ریاست میں عدم استحکام کی ایک وجہ فواحش و منکرات کے مراکز کا قیام ہے۔ فواحش و منکرات کے ان مراکز کو بند کرنا اور بے حیائی و فحاشی کے ان پیشوں پر پابندی لگانا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ محمد بن عبد الوہاب مسجد ضرار کے واقعے تناظر میں اس اصول کے بارے میں لکھتے ہیں۔

---

[1] آل عمران:130

[2] اسرار احمد، **بیان القرآن**: ۳۵/۲

[3] البقرہ:275

((ومنها تحريق أمكنة المعصية كما حرق مسجد الضرار، وكل مكان مثله فواجب على الإمام تعطيله إما بهدم أو تحريق، واما بتغيير صورته واخراجه عما وضع له، وإذا كان هذا شأن مسجد الضرار، فمشاهدالشرک أحق وأوجب، وكذابيوت الخمارين، وأرباب المنكرات، وقدحرق عمر قريةبكمالهايباع فيهاالخمر، وحرق حانوت رويشد الثقفى وسماه فويسقا-))[1]

(اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن جگہوں میں گناہ کے کام کئے جاتے ہیں اس کو جلادیا جائے جیسا کہ مسجد ضرار کو جلادیا گیا تھا اور اس طرح کے ہر ایک مکان کو ویران کرنا، ڈھادینا یا نذر آتش کردینا بادشاہ کیلئے ضروری ہے یا اس کی شکل کو بدل ڈالے یا جس چیز کیلئے بنایا گیا ہو اس کو نکال کے ختم کردے۔ جب مسجد کی ضرار کی یہ حالت ہے تو شرک کے اڈے اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی طرح شراب نوشی اور فواحش و منکرات کی جگہوں کو بھی ڈھانا اور جلانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری بستی کو جلادیا جہاں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ انہوں نے رویش ثقفی کی شراب کی دکان کو بھی نذر آتش کروادیا اور اسے فویسق کا نام دیا۔)

لہذا اسلامی ریاست کو چاہیے کہ ریاست میں فواحش و منکرات کے مراکز کا قیام نہ ہونے دے۔ اگر ایسے مراکز کا قیام چوری چھپے ہو ہو جائے تو ان کو فوری بند کروادے۔ ایسے افعال پر پابندی لگادے اور خلاف ورزی کی صورت میں کا سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے۔

11. ریاست کے خلاف سازشیں

اسلامی ریاست اس وقت عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے جب ریاست کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں۔ حکومت وقت اگر ریاست کے خلاف سازشوں اکا دراک نہ کرے اور مؤثر حکمت عملی نہ بنائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہذا حکومت اسلامی ریاست کے خلاف سازش کا ادارک کرکے اس سے بچنے کیلئے مؤثر حکمت عملی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرے۔ ریاست کے خلاف جو لوگ سازش کرتے ہیں مسجد ضرار کے مطالعے کی روشنی میں ان مجرموں کو سامنے لایا جائے اور ان کے منصوبوں کو ناکام بنایا جائے۔ معروف سیرت نگار ڈاکٹر رمضان البوطی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ،

((وكان هذا الموقف هوالكشف عن حقيقةالمنافقين وتعريةأهدافهم عن ذلك تلك الأقنعة التى ستروهابها،ثم هدم وتحريق ذلک البناء الذى زعموه مسجداً، وهم إنما بنوه مرصداً لنفاق المنافقين ومثلاً لتنظيم المكائد ضد المسلمين، وذريعة للتفريق بينهم، وإن قصة هذا الكيد الأخير من المنافقين مع القصص السابقة لنفاقهم وكيدهم، تعطينا صورة كاملة عن مجموع حكم الشريعة الإسلامية في حقهم))[2]

---

[1] محمد بن عبد الوہاب، **مختصر زاد المعاد** (القاہرۃ: دار الریان للتراث، 1987ء)، ص:179

[2] محمد سعید رمضان البوطی، **فقہ السیرۃ دار لفکر** (دمشق: دار کتاب، 1397ھ)، ص:429

(وہ موقف یہ تھا کہ منافقین کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا اور انہوں اپنے مقصد پر جو پردے ڈال رکھے تھے اس کو ہٹا یا گیا۔ پھر انہوں نے جس عمارت کے بارے میں مسجد ہونے کا دعویٰ کیا تھا اسے جلا کر خاکستر کرنے کا حکم دیا گیا۔اس لئے کہ انہوں نے اس کی تعمیر اس مقصد سے کی تھی کہ اس کی آڑ میں منافقین کا نفاق چھپ جائے، وہاں سے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کو منظم کیا جا سکے اور ان کے درمیان پھوٹ ڈالی جا سکے۔ منفقین کی اس آخری سازش کے اس واقعے کو ان کے نفاق اور ریشہ دوانیوں کے گزشتہ واقعات کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو ہمارے سامنے ان کے بارے میں اسلامی شریعت کے مجموعی حکم کی مکمل تصویر آجاتی ہے۔)

لہذا ریاست کے خلاف کسی قسم کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا جائے۔اس حوالے سے ریاست کے خفیہ اداروں کو فعال بنانا چاہیے اور سازشی عناصر کو بے نقاب کر کے ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور ریاست کو عدم استحکام سے بچایا جائے۔

12. قانون کی عدم بالادستی

قانون کی عدم بالادستی اسلامی ریاست کے عدم استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ریاست میں قانون کا صحیح نفاذ ناپید ہو جائے تو قانون طاقتور طبقہ کے ہاتھ کھلونا بن جاتا ہے۔ قانون کی حکمرانی ریاست کی بقاء کیلئے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔اسلامی شرعی سزاؤں کا خاصہ یہ ہے کہ اگر ریاست میں اس کا صحیح نفاذ کیا جائے تو اس کے نتیجے میں ریاستی استحکام یقینی ہو جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ﴾[1]

(چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا۔ عذاب اللہ کی طرف سے۔)

ریاست میں نظم نسق کیلئے قانون ایک لازمی امر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[2]

یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔جو ان سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔

اگر ان حدود کو ریاست میں نافذ کیا جائے تو تو اس کے نتیجے میں ریاست میں استحکام لازمی ہو جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى﴾[3]

(تم پر قتل کا قصاص فرض کیا گیا ہے۔آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔)

---

[1] المائدہ:38

[2] البقرہ:229

[3] ایضا:78

لہذا سلامی ریاست میں قانون کی بالا دستی کا ہونا ناگزیر ہے۔ قانون کی بالا دستی کے بغیر ریاست کا امن خراب ہو جائے گا۔ریاست میں نظم و نسق کیلئے قانون کی بالا دستی ضروری ہے۔ورنہ ریاست انتشار کا شکار ہو جائے گی۔

13. جھوٹ اور افواہوں کا عام ہو جانا

خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ ہے۔ آدمی کے جھوٹے ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات کو بنا تحقیق کے بیان کرے۔ ریاست میں بگاڑ کا سب سے اہم سبب کثرت سے جھوٹ بولنا ہے۔اللہ رب العزت کے نزدیک جھوٹ بولنا ناپسندیدہ عمل ہے۔اس پر اللہ تعالی نے لعنت کا اظہار کیا ہے۔اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

﴿لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾[1]

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

جھوٹ دراصل برائیوں کی جڑ ہے۔اسی کے ذریعے انسان صغیرہ سے کبیرہ گناہوں کی طرف راغب ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ریاست کا ماحول عدم استحکام کا شکار ہوتا ہے۔اس وجہ سے قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ صدق اور کذب کی بہترین وضاحت فرماتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

((إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ كَذَّابًا))[2]

(سچائی کو لازمی پکڑلو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچادیتی ہے اور آدمی مسلسل سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کی بارگاہ میں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچادیتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے کذاب لکھ لیا جاتا ہے۔)

کچھ عناصر جھوٹ اور افواہیں پھیلا کے افراتفری پھیلاتے ہیں جس سے ریاست کا استحکام داؤ پر لگ جاتا ہے۔اسلام جھوٹی خبریں نشر کرنے سے منع کرتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا﴾[3]

---

[1] آل عمران:61

[2] مسلم،الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب ،باب قبح الكذب،ح2607

[3] الاحزاب:60

(اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے باز نہ آئیں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگادیں گے پھر وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ ٹھہریں گے۔)

لہذا اسلام ریاست میں جھوٹ اور افواہوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ اس سے ریاست میں افراتفری پھیل جاتی ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلام نہ صرف افواہوں سے منع کرتا ہے بلکہ غلط گمان سے بھی اجتناب کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

14. برائی میں تعاون کرنا

اسلامی ریاست اس وقت عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے جب لوگ برائی میں نہ صرف خود مبتلا ہو جاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس پر اکساتے ہیں۔ لوگوں میں اعمال غلیظہ کی اشاعت ایسے امور ہیں جن کے منفی اثرات پوری ریاست میں یکساں طور پر مرتب ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾[1]

(آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے یقیناً وہ بہت برا تھا۔)

اس لئے اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے اسلام برائی میں تعاون کرنے سے منع کرتا ہے۔ اعمال صالحہ کی اشاعت اور سماجی امور کے اہتمام پر عمل اور ان کی معاشرتی ترویج اسلامی ریاست کا بنیادی اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[2]

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔)

اس عظیم فریضہ سے انحراف کا نتیجہ قوموں کو ہلاکت اور ان کے انہدام کی شکل میں نکلتا ہے۔ لیکن اسلامی ریاست کے صحیح معنی میں باشندوں کی اللہ تعالیٰ نے صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾[3]

(یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کے پاؤں زمین میں جمادیں تو نماز پڑھیں گے زکواۃ ادا کریں گے، نیکی کی ترغیب دیں گے اور برائی سے باز رکھیں گے۔)

---

[1] المائدہ:79

[2] آل عمران:110

[3] الحج:41

15. غیر تحفظ جان، مال اور آبرو

ریاست اس وقت بھی عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے جب ریاست میں موجود باشندوں کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ غیر تحفظ جان، مال اور آبرو مذہبی اقلیت، معاشرتی طبقاتی یا سیاسی بنیاد پہ ہو سکتا ہے۔ لہذا ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے اسلامی ریاست کے حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔ مذہبی طبقات کی بنیاد پر اگر کسی غیر مسلم کو بلاوجہ نقصان پہنچایا جائے تو اس کا تدارک کرے۔ معاشرتی بنیاد پر اگر کوئی ریاست کی کسی باشندے کی جان کو نقصان دے، مال چوری کرے یا اس کی ناموس کی توہین کرے تو اسلامی حدود کا نفاذ یقینی بناتے ہوئے ان کی حفاظت کرے۔ حاکم اللہ اور اس کے رسول کی نیابت میں ہر اس فرد کے جان و مال کا محافظ ہے جس نے اس کی بیعت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک بنے اس کے پیش نظر خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔

((وإنَّ دماءَكُم وأموالَكُم عليكُم حرامٌ كحرمة يومكُم هذا))[1]

(بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کیلئے اس طرح محترم ہیں جس طرح آج کا یہ دن ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ

((كُلُّ الْمسلمِ علَى الْمسلمِ حرامٌ دمه ومالُه وعرضُه))[2]

(مسلمان کی ہر مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔)

لہذا اسلامی ریاست کے حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست میں موجود ہر شہری کی جان، مال اور آبرو کی تحفظ کو یقینی بنائے۔

16. دشمن کو ریاست کے امور میں رازدار بنانا

ریاست میں موجود بعض عناصر جب دشمن کو ریاست کے امور میں رازدار بناتے ہیں تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ کسی دشمن کو مملکت کے امور میں رازدار بنانا مکمل طور پر ممنوع ہے۔ قرآن نے اس حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ دشمن کے عزائم برے ہوتے ہیں اور تمہارے بارے میں وہ ہمیشہ تاک میں بیٹھے رہتے ہیں کہ ان کے علم میں تمہاری کوئی کمزوری آجائے تو وہ اسے اپنے حق میں اور تمہارے خلاف استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يا أَيُّها الَّذين آمنوا لَا تَتَّخذُوا بطَانَةً من دُونكُم لَا يأْلُونكُم خبالًا ودُّوا ما عنتُّم قد بدت الْبغضاء من أَفْواههم وما تُخفي صدورهم أَكْبر قد بيَّنَّا لَكُم الْآيات إن كُنتم تعقلُون﴾[3]

---

[1] ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ح3931

[2] مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم، ح2564

[3] آل عمران: 118

اے ایمان والوں اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہارے خلاف شر پھیلانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ جس بات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے وہی انہیں پسند ہے۔ کبھی تو بغض کا اظہار ان کے منہ سے بھی ہوتا ہے۔ لیکن جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔ بتحقیق ہم نے آیات کو واضح کر کے تمہارے لئے بیان کیا ہے۔ اگر تم عقل رکھتے ہو۔

لہذا ریاست کو عدم استحکام سے محفوظ رکھنے کیلئے ریاست دشمن عناصر کو ریاستی معاملات میں راز دار نہیں بنانا چاہیے۔

17. بے پردگی و بے حیائی

ریاست میں فحاشی و عریانی عوام میں غیرت کو ختم کر دیتی ہے۔ جس قوم میں غیرت نہ رہے بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے پردگی اور بے حیائی معاشرے میں فساد کو جنم دیتی ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہذا ریاست میں بے پردگی اور بے حیائی کا خاتمہ کیا جائے۔ بے حیائی پھیلانے والوں کیلئے سخت وعید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾[1]

(بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کیلئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے)

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ جو لوگ آرزومند ہیں، خواہشمند ہیں اور اپنے دل میں یہ تمنا رکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پیدا ہو تو ان کیلئے دردناک قسم کا عذاب ہے۔ حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلاَّ مَقِيتًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلاَّ مَقِيتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلاَّ خَائِنًا مُخَوَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلاَّ خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلاَّ رَجِيمًا مُلَعَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلاَّ رَجِيمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ))[2]

(اللہ تعالیٰ جب کسی آدمی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیاء کو چھین لیتا ہے۔ اور جب اس سے حیاء کو چھین لیتا ہے تو تجھے وہ شخص ناپسندیدہ اور قابل نفرت محسوس ہوتا ہے۔ جب وہ ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہو جاتا ہے تو اس سے دیانت داری چھین لی جاتی ہے۔ جب اس سے دیانت داری چھین لی جاتی ہے تو اسے خائن اور خیانت میں مشہور دیکھتا ہے۔ جب وہ خائن اور خیانت میں مشہور ہو جاتا ہے تو اس سے رحم دلی چھین لی جاتی ہے۔ جب اس سے رحم دلی چھین لی جاتی ہے تو اسے لعنتی اور لوگوں سے اس پر لعنتیں پڑتی دیکھتا ہے۔ جب تو اسے لعنتی دیکھیں اور اس پر لعنتیں پڑ رہی ہوں تو اس کی گردن سے اسلام کا قلادہ اتر جاتا ہے۔)

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ بے حیائی اور فحاشی اسلامی ریاست میں ایک فساد ہے جو کہ اس کے عدم استحکام کا سبب بنتی ہے اور افراد کے دلوں سے نیکی اور بدی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

---

[1] النور:19

[2] ابن ماجہ،السنن، كتاب الفتن، باب ذهاب الأمانة،ح4054

18. سامراجیت کا فساد وانتشار

اسلامی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کیلئے شر انگیزوں کی طرف سے یہ حربہ اختیار کیا جاتا ہے کہ سامراجی نظام کے قیام کیلئے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اسلامی حکومت عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل پر سامراجیت مسلط کی جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾[1]

بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر دیے تھے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا، بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی ضمن میں فرماتے ہیں کہ

"فرعون نے زمین میں سر اٹھایا، باغیانہ روش اختیار کی، اپنی اصل حیثیت یعنی بندگی کے مقام سے اٹھ کر خود مختاری اور خداوندی کا روپ دھار لیا، ماتحت بن کر رہنے کے بجائے بالادست بن بیٹھا، اور جبار و متکبر بن کر ظلم ڈھانے لگا۔ یعنی اس کی حکومت کا قاعدہ یہ نہ تھا کہ قانون کی نگاہ میں ملک کے سب باشندے یکساں ہوں اور سب کو برابر کے حقوق دیے جائیں، بلکہ اس نے تمدن و سیاست کا یہ طرز اختیار کیا کہ ملک کے باشنوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جائے، کسی کو مراعات و امتیازات دے کر حکمراں گروہ ٹھہرایا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا اور پیسا اور لوٹا جائے۔"[2]

لہذا سامراجیت ریاست میں عدم استحکام کا اہم سبب بنتی ہے جس کا تدارک ضروری ہے۔ اسلام سامراجیت کا تدارک کرنے کیلئے تمسک بالقرآن کا حکم دیتا ہے۔ قرآن وسنت کو عملی زندگی میں مکمل طور اپنایا جائے۔ اس حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ))[3]

(میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں تم ہر گز گمراہ نہ ہو گے جب تک انہیں تھامے رکھو گے وہ کتاب اللہ اور میری سنت ہے۔)

19. محدود نظام تعلیم فرقہ واریت کا باعث

موجودہ دور میں مدارس میں محدود تعلیمی نظام نے ریاست میں فرقہ واریت کو جنم دیا ہے۔ بجائے امت کو جوڑنے کا حل پیش کرنے کے مدارس میں خاص کر فرقہ وارانہ مسائل میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔ جس سے مدارس سے فارغ التحصیل معاشرے میں مزید بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس نظم تعلیم کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] القصص:4

[2] مودودی، **تفہیم القرآن**:۳/۶۱۰

[3] امام مالک، المؤطا، کتاب القدر، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۵۸ھ)، ح1628

"یہ ایک حقیقت ہے کہ محدود دینی نظام تعلیم کے تحت جب فرقہ وارانہ مسائل میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے تو مسجد غیر متعلق مسائل کی تعلیم گاہ بن جاتی ہے اور فروعی مسائل کی بنیاد پر اختلاف کو فرقہ وارانہ رنگ دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ مدارس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے مدارس میں پڑھا ہوتا ہے اس کو معاشرہ اور گرد و پیش سے مخالف پاتے ہیں اور ان مسائل کا اطلاق کہاں اور کیسے کیا جائے اس چیز کو سمجھنے سے وہ قاصر ہوتے ہیں۔ لہذا وہ مسائل حل کرنے کے بجائے معاشرے میں ان مسائل کو پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ جن سے عوام کا کوئی دور کا واسطہ نہیں ہوتا اس طرح انہیں الجھا کر رکھ دیا جاتا ہے جس سے معاشرہ میں انتشار، منافرت اور گرہیت پیدا ہوتی ہے۔ اور بجائے عوام کے معاشرتی مسائل حل کرنے کے وہ فروعی مسائل میں پھنسا دیئے جاتے ہیں۔"

مولانا مودودی موجودہ مدرسہ کے تعلیمی نظام کو قدیم زمانے میں سول سروس کا نظام گردانتے ہیں جو مسلمان حکومتوں کی ضروریات کیلئے تجویز کیا گیا تھا۔ انگریزوں کے آتے ہیں اس نظام تعلیم کی افادیت ختم ہو گئی لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے اس نظام کو قائم رکھا تاکہ آبائی میراث سے بالکل منقطع نہ ہو جائیں۔ لیکن اس نظام سے فارغ التحصیل طلباء کی افادیت میں معاشرے میں کم ہو گئی تھی اس لئے وہ معاشرے میں کوئی اہم کردار ادا نہ کر سکے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اس مصلحت سے انہوں نے کسی تغیر و تبدل کے بغیر اسے جوں کا توں برقرار رکھا لیکن جتنے حالات بدلتے گئے اتنی ہی زیادہ اس کی افادیت گھٹتی چلی گئی کیوں کہ اس نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تعلیم پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں یا وعظ گوئی کا پیشہ اختیار کریں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔"

محدود نظام تعلیم سے ریاست میں فرقہ واریت جنم لیتی ہے جس سے ریاست کا استحکام داؤ پر لگ جاتا ہے۔ لہذا اسلامی نظام تعلیم محدود تعلیم کی منفی کرتے ہوئے اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔

20. جدید نظام تعلیم سے غلامی کی سوچ کا پنپنا

اسلامی ریاست اس وقت مستحکم ہوتی ہے جب اس کی رعایا کے ہر فرد میں خودداری، لیڈرشپ اور آزادانہ سوچ جنم لیتی ہے۔ اگر یہ خصوصیات ختم ہو جائیں تو وہ قوم غلام ہونا پسند کرتی ہے۔ یہ خصوصیات نظم تعلیم پیدا کرتا ہے۔ موجودہ دور میں جو اسلامی ریاستیں ہیں ان میں وہ تعلیم نظام رائج ہے جو کلونیل پیریڈ کا تھا۔ کلونیل طاقتیں اس نظام تعلیم کے تحت مسلم ریاستوں میں ایسے لوگ پیدا کرنے چاہتے تھے جن میں غلامی کی سوچ پنپتی رہے اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں کا ان پر حکومت کرنا ان کو اچھا لگے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"انگریز نے یہ نظام تعلیم یہاں اس لئے قائم نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کی تہذیب کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کیلئے کارکن تیار کرے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ چیز اس کے پیش نظر نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس کے پیش نظر انسانیت کا وہ نقشہ بھی نہیں تھا جو خود اپنے ملک انگلستان میں اس کے پیش نظر تھا۔ وہ اس مقصد کیلئے یہاں آدمی تیار کرنا نہیں چاہتا تھا جس کے لئے وہ اپنے ملک میں اپنی قوم میں کرتا تھا۔ وہ یہاں ایسے لوگ تیار کرنا نہیں چاہتا تھا جو ایک آزاد قومی حکومت کو چلانے کیلئے موزوں ہوں۔ یہ چیز تو اسے اپنے ملک میں مطلوب تھی نہ کہ ہمارے ملک

میں۔ یہاں جس قسم کے آدمی رتیار کرنا اس کے پیش نظر تھا ان کے اندر اولین صلاحیت وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ باہر سے آکر حکومت کرنے والی ایک قوم کے بہتر سے بہتر آلہ کار بن سکیں۔"

لہذا اسلامی نظام تعلیم ایک ایسی قوم بناتا ہے جو آزاد سوچ کی حامل ہو نہ کہ غلامانہ سوچ کی مالک ہو اور جو اپنی تہذیب کی بقاء بھی قائم رکھ سکے۔ مولانا مودودی مزید لکھتے ہیں۔

"بنیادی انسانی اخلاقیات پیدا کرنے کی فکر وہ نظام تعلیم کرتا ہے جو ایک آزاد قوم اپنے نظام زندگی کو چلانے کیلئے بناتی ہے۔ اس کو لامحالہ اپنے تمدن کی بقا اور ارتقاء کی خاطر ایسے کارکن تیار کرنے کی فکر ہوتی ہے جو مضبوط اور قابل اعتماد سیرت کے مالک ہوں۔"

لہذا جدید نظام تعلیم انسان کے اندر آزادی کی سوچ پنپنے نہیں دیتا اور بلکہ غلامی کی پروان چھڑھاتا ہے۔ اس لئے اسلامی نظم تعلیم ریاست کے افراد میں خودداری اور آزادی پسند کے خصائص پیدا کرتا ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست کبھی کسی غیر ہاتھوں مغلوب نہیں ہوتی۔

خلاصہ فصل یہ ہے کہ اسلام میں ریاست کے بنیادی عوامل الہامی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ اسلام کے تصور ریاست میں اقتدار کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ انسان کو بطور خلیفہ اختیارات سونپیں گئے ہیں تاکہ وہ احکامِ خداوندی کو نافذ کرے۔ اسی انسان کو اسلامی ریاست کا خلیفہ بنانے کیلئے معیار مقرر کیا گیا ہے۔ کمزور اور نااہل افراد کو خلافت نہیں سونپی جاتی۔ اہل اور قابل افراد کو اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں سونپنے کے باوجود بھی ان کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ کسی ایسے فعل کے مرتکب پائے گئے جس سے اسلامی ریاست یا اس کی رعایا کو نقصان پہنچے تو اس کو معزول کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کا نظم ونسق چلانے کیلئے منتخب خلیفہ مطلق العنانیت کے بجائے شوریٰ کی مدد لے گا۔ اسلامی ریاست نہ صرف معاشرتی عدل کو یقینی بناتی ہے بلکہ معاشی عدل کو بھی قائم کرنا اس کا فرض ہے۔ ریاست میں زکوۃ کا نفاذ ہو اور ریاست کی تجارت اور دیگر معاشی معاملات سود سے پاک ہوں۔ اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ جس مقصد کے لئے بنی ہے اس مقصد کا دفاع کرے اور نظریاتی ریاست کو بیرونی خطرات سے بچانے کیلئے ہمیشہ تیار رہے۔ اسلامی ریاست نہ صرف ایک نظریاتی ریاست ہے بلکہ ایک فلاحی ریاست بھی ہے۔ اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے ریاست میں فواحش ومنکرات کے مراکز پر پابندی لگا دی جائے۔ کیونکہ کچھ لوگ برائی میں خود بھی مبتلاء ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلاء کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ریاست میں موجود نوجوان نسل پر بہت بڑے اثرات پڑیں گے جو کہ ریاست کا مستقبل ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست برے عرصے تک عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اگر کچھ شرپسن عناصر ریاست کے خلاف سازشیں کریں تو حکومت کو چاہیے کہ ان کا ادراک کرے اور اور مؤثر حکمت عملی بنائے۔ اسلامی ریاست میں سیاست اس وقت عدم کا شکار ہوتی ہے جب قیادت نااہل اور غیر مخلص لوگوں کے ہاتھ آجائے۔ جھوٹ، دغابازی، منافقت اور جاہ منصب کی حرص پر مبنی سیاست ریاست کے سیاسی نظام کو عدم استحکام کا شکار کر دیتی ہے۔ سیاسی قیادت جب ذاتی مفادات اور اقتدار کے حصول کیلئے گروہ بندی کرتے ہیں تو ریاست کی سلامتی داؤ پر لگ جاتی ہے۔ موروثی سیاست بھی اکثر سیاسی عدم استحکام کا سبب بنتی ہے۔

فصل سوم: منتخب علماء و مفکرین کے احوال و آثار

فصل سوم

منتخب علماء و مفکرین کے احوال و آثار

اسلامی تصور ریاست کے حوالہ سے بہت سے مسلم مفکرین نے اپنے اپنے افکار و آراء پیش کیئے ہیں جن میں امام ابن تیمیہ (السیاسۃ الشرعیہ)، ابوالحسن الماوردی (الاحکام السلطانیہ)، امام غزالی (احیاء العلوم الدین)، ابوالحسن ندوی اور ابن خلدون وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان تمام مفکرین اسلامی تصور ریاست کو تفصیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ان میں چند (مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر طاہر القادری، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور مفتی تقی عثمانی) کو میں نے اپنی تحقیق کے لیے منتخب کیا ہے۔

اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے مسلم مفکرین کی آراء کو جاننے سے پہلے ان کی سوانح عمری کو جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کی سوانح عمری اس بات کو واضح کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی زیست کے ایام میں مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے کس طرح اپنا تعلیمی سفر مکمل کر کے لاتعداد کتب تحریر کیں۔ان کی تحریر آج بھی اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ذیل میں منتخب علماو مفکرین کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

1. مولانا مودودیؒ

آپ کا نام سید ابوالاعلی مودودی ؒ ہے۔آپ 1903ء میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔آپ کے آباواجداد میں ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی گزرے تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے۔ آپ کا گھرانہ ایک مکمل مذہبی گھرانہ تھا۔سید مودودی کا خاندان انہی خواجہ مودود چشتی کے نام سے منسوب ہو کر ہی مودودی کہلاتا ہے۔ [1]

آپ کو دینی تعلیم گھر میں دی گئی۔1914ء میں انہوں نے مولوی کا امتحان دیا۔جب انہیں گیارہ سال کی عمر میں مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد کی جماعت رشدیہ میں داخل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اکثر مضامین میں اپنے ہم جماعتوں سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔اس کی وجہ ان کے والد وسیع النظر اور روشن خیال شخص تھے۔انہیں مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کا غم کھائے جاتا تھا چنانچہ اس زمانے کے سمجھدار اور حساس لوگوں کی طرح انہوں نے اپنے دونوں بچوں کو کم عمری سے تاریخ اسلام کے اہم ابواب کہانیوں کی صورت میں سنانا شروع کر دیے ۔[2]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا علمی کام قرآن، حدیث، سیرت، فقہ، عقائد، عبادات، تاریخ، فلسفہ، تہذیب، تمدن، سیاست، معیشت، تعلیم، اجتماعیت، اخلاقیات، مغربی فکر وغیرہ پر ہے۔ تفہیم القرآن آپ کی اعلیٰ ترجمانی و تفسیری کاوش ہے۔ آپ کی تصانیف

---

[1] عاصم نعمانی، **مولانا مودودی اور تصوف**، (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلشرز، ۱۹۵۷ء)، ص12

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، 741/21

میں اسلامی ریاست، خلافت وملوکیت، اسلامی اصول اور اسکے اصول ومبادی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، قرآن کی معاشی تعلیمات، سنت کی آئینی حیثیت اور تجدید احیاء دین قابل ذکر ہیں۔[1]

27 مئی 1979ء کو آپ بیماری کی شدت کے باعث امریکہ علاج کے لئے گئے جہاں ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو منصورہ (لاہور) میں سپرد خاک کر دیا گیا۔[2]

2. ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ڈاکٹر محمد طاہر القادری 19 فروری 1951ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ جھنگ کے ایک معروف عالم دین ڈاکٹر فرید الدین قادری کے بیٹے ہیں۔ آپ کے آباؤاجداد سیال خاندان سے تھے۔ آپ کے والد گرامی عربی وفارسی ادب، فقہ اسلامی اور تصوف میں کمال مہارت رکھتے تھے۔[3]

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم جھنگ میں سیکرڈ ہارڈ سکول سے حاصل کی۔ بعد ازاں دینی تعلیم مولانا ضیاء الدین مدنی کی زیر نگرانی میں مدینہ منورہ میں حاصل کی۔ علم حدیث میں آپ نے سید علوی المالکی سے حدیث کا سماع کیا۔ علم حدیث سیکھنے کے بعد آپ نے جامعہ قطبیہ جھنگ سے درس نظامیہ کیا۔ دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے گورنمنٹ ڈگری کالج فیصل آباد سے ایف ایس سی اور ۱۹۷۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے قانون کا امتحان ایل ایل بی پاس کیا۔ آپ نے اجازت روایت حدیث کی سند سید احمد سعید کاظمی سے حاصل کی۔[4]

اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری گورنمنٹ کالج عیسیٰ خیل میں بحثیت لیکچرر اسلامک اسٹڈیز تعینات کئے گئے۔ بعد ازاں ۱۹۷۶ء میں آپ ڈسرکٹ کورٹ جھنگ میں بحثیت ایڈوکیٹ کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۹۷۸ء میں آپ رکن سنڈیکٹ پنجاب یونیورسٹی منتخب ہوئے۔ اسی سال وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں مشیر فقہ اور سپریم کورٹ پاکستان میں مشیر منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۳ء میں آپ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج، لاہور میں بحثیت لیکچرر اسلامک لاء اپنی خدمات سرانجام دیں۔[5]

1992ء میں آپ نے قومی اور بین الاقوامی ٹرانزیکشنز کا احاطہ کرنے والا بلاسود بینکاری نظام پیش کیا، جسے صنعتی و بینکاری حلقوں میں سراہا گیا۔ 2006ء میں جب ڈنمارک سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توہین آمیز خاکے بنائے گئے تو آپ نے اقوام متحدہ کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا، جس کے ساتھ 15 کلومیٹر طویل کپڑے کا بینر بھی تھا جس پر 10 لاکھ سے زائد لوگوں کے دستخط

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 743/21

[2] عاصم نعمانی، **مولانا مودودی اور تصوف**، ص 14

[3] منہاج انسائیکلوپیڈیا، **ڈاکٹر محمد طاہر القادری: قدم بہ قدم** (5/7/2022) /www.ur.minhaj.org.pk

[4] ایضاً

[5] محمد حسین آزاد، **شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی علمی خدمات**(7/5/2022)/www.ur.minhaj.org.pk

ثبت تھے۔آپ کی قائم کردہ تحریک منہاج القرآن کی دنیا بھر میں شاخیں ہیں، جو تارکین وطن کی نئی نسل کو اسلام پر کاربند رکھنے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔[1]

عرفان القرآن کے نام سے آپ نے قرآن مجید کا سلیس اردو اور انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، تفسیر منہاج القرآن کے نام سے آپ قرآن مجید کی تفسیر پر کام کر رہے ہیں، ۔المنهاج السوی من الحديث النبوی کے نام سے ان کا حدیث مبارکہ کا ایک ذخیرہ طبع ہو چکا ہے، جس میں ریاض الصالحین اور المشکوۃ المصابیح کی طرز پر منتخب موضوعات پر احادیث مع تخریج پیش کی گئی ہیں۔سیرت الرسول کے نام سے آپ کی تصنیف اردو زبان میں سیرت نبوی کی سب سے ضخیم کتاب ہے۔اسلام کے اقتصادی نظام کو آج کے دور میں قابل عمل ثابت کرنے کے لئے آپ نے اقتصادیات اسلام کے نام سے ایک ضخیم تصنیف بھی تحریر کی۔[2]

3. ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک تعلیم یافتہ، ادیب اور صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے والد گرامی جو کہ پہلے مدراس میں رہائش پذیر تھے حیدر آباد کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں بطور ڈائریکٹر ریونیو ڈپارٹمنٹ میں تعینات ہوئے۔آپ 9 فروری، 1908ء کو اور بعض حوالوں کے مطابق 19 فروری، 1908 کو مملکت آصفیہ کے شہر حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔آپ نے اپنے ایک مکتوب بنام 'مظہر ممتاز قریشی' میں اپنی تاریخ پیدائش 16 محرم، 1326 ہجری بیان کی ہے جو عیسوی تقویم کے مطابق بروز بدھ 19 فروری، 1908ء کو قرار پاتی ہے۔وہ اپنے خاندان میں سب سے چھوٹے بھائی تھے۔[3]

بعد ازاں ۱۹۲۴ء میں آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔آپ نے ۱۹۲۸ء میں بی۔اے اور ۱۹۳۰ء میں ایل ایل بی اور ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔تحقیقی کام کے دوران آپ نے مختلف لائبریز کا دورہ کیا۔اسی دوران مختلف مستشرقین سے آپ کی ملاقات ہوئی جنہوں نے آپ کو بون یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے مدعو کیا۔عثمانیہ یونیورسٹی نے آپ کو اجادت دے دی اور ۱۹۳۳ء میں آپ نے ڈاکٹریٹ مکمل کی۔جرمنی میں کچھ وقت گزارنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں آپ پیرس آئے۔پیرس میں سوربورنے یونیورسٹی سے آپ نے "Early Muslim Diplomacy" پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔[4]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے قرآن، حدیث، فقہ اور سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف زبانوں میں کتب لکھی۔ سیرت کے میدان میں آپ نے سیرت ابن اسحٰقؒ تالیف کی۔آپ نے سیرت ابن ہشام کا بھی تنقیدی جائزہ لیا۔اس کے علاوہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر 'محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کے نام سے کتاب مدون کی۔غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بھی

---

[1] محمد طاہر القادری، میری کہانی میری زبانی (www.ur.minhaj.org.pk/(9/5/2022

[2] محمد حسین آزاد، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی علمی خدمات (ur.minhaj.org.pk/(9/5/2022

[3] مومن، عبدالرحمٰن، ڈاکٹر محمد حمید اللہ: سیرت، کمالات اور افادات، (لاہور، فرید بک ڈپو، 2006ء)، ص 10

[4] ایضاً، ص 13

آپ نے کتاب لکھی جس کا موضوع "The battle fields of Prophet Muhammad" ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسلام کے سیاسی نظام، نظام حکومت، اسلام میں دستور سازی اور اسلام کے نظام تعلیم پر بھی کتب لکھیں۔[1]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ 17 دسمبر 2002ء کو وفات پا گئے۔[2]

4. ڈاکٹر اسرار احمدؒ

آپ 26 اپریل، 1932ء کو موجودہ بھارتی ریاست ہریانہ کے ضلع حصار میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ لاہور منتقل ہو گئے اور گورنمنٹ کالج سے ایف ایس سی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ 1954ء میں انہوں سے کنگ ایڈورڈ کالج سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد 1965ء میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی سند بھی حاصل کی۔ آپ نے 1971ء تک میڈیکل پریکٹس کی۔[3]

آپ میڈیکل کے طالب ہونے کے باوجود علم دین کے حاصل کرنے کے بعد علمی میدان میں دینی کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑ کے گئے۔ آپ نے 100 سے زائد کتب تحریر کیں جن میں سے کئی کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی تفسیر اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کئی جامع کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی تصانیف میں اسلام کا معاشی نظام، اسلام میں عدل اجتماعی، موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل، اصلاح معاشرہ کا قرانی تصور، اور قرآن پاک کے ہم پر پانچ حقوق قابل ذکر ہیں۔[4]

کتب تحریر کرنے کے ساتھ عالمی سطح پر آپ نے مفسر قران کی حیثیت سے زبردست شہرت حاصل کی۔ بلا مبالغہ ان کے سیکڑوں آڈیو، ویڈیو لیکچرز موجود ہیں جن کے دنیا کی کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اسلام کا صحیح تشخص ابھارنے میں وہ اہم ترین کردار ادا کیا جو تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔[5]

آپ مؤرخہ 14 اپریل، 2010ء کو 78 برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔[6]

---

[1] فاروقی، لطف الرحمٰن، **ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی چند مشہور کتب سیرت کا تعارف اور ان کے مندرجات**، اسلام آباد: معارف اسلامی، جولائی، (2004)، والیم 2، ص 4

[2] مومن، عبدالرحمٰن، **ڈاکٹر محمد حمید اللہ: سیرت، کمالات اور افادات**، ص 15

[3] http://www.grandestrategy.com/2010/04/dr-israr-ahmed.html/ (6/8/2022)

[4] ڈاکٹر اسرار احمد، tanzeem.islami.org/organization/founder/ (7/8/2022)

[5] http://www.grandestrategy.com/2010/04/dr-israr-ahmed.html(2022/5/7

[6] ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات tanzeem.islami.org/organization/founder/ (4/5/2022)

5. مفتی محمد تقی عثمانی

مفتی محمد تقی عثمانی کی پیدائش 27 اکتوبر 1943ء کو ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کے مشہور قصبہ دیوبند میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کے قائم کردہ مدرسۂ اشرفیہ میں حاصل کی اور پھر آپ نے اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں دارالعلوم کراچی سے درس نظامی کی تعلیم مکمل کی جس کے بعد 1961 میں اسی ادارے سے ہی فقہ میں تخصص کیا۔ بعدازاں جامعہ پنجاب میں عربی ادب میں ماسٹرز اور جامعہ کراچی سے وکالت کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔[1]

مفتی محمد تقی عثمانی تدریس کے شعبے سے بھی وابستہ ہیں۔ آپ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری، فقہ اور اسلامی اصول معیشت پڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف ملکی و غیر ملکی جامعات وقتاً فوقتاً اپنے یہاں آپ کے خطبات کا انتظام کرتی رہتی ہیں۔ آپ چند سالوں سے جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری دے رہے، پہلے آپ ایک فقیہ کی حیثیت سے جانے جاتے تھے اور اب دنیا آپ کو ایک محدث کی حیثیت سے بھی جانتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کی وفات کے بعد 19 ستمبر 2021ء کو وفاق المدارس العربیہ کی مجلسِ شوریٰ نے انہیں متفقہ طور پر صدر منتخب کیا ہے۔[2]

مفتی محمد تقی عثمانی جامعہ کراچی سے وکالت کی سند حاصل کرنے کے بعد طویل عرصے کے لیے پاکستان کے عدالتی نظام سے وابستہ ہو گئے۔ آپ 1980 سے 1982 تک وفاقی شرعی عدالت اور 1982 سے 2002 تک سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت ایپلیٹ بینچ کے جج رہے ہیں۔[3]

آپ نے اسلام کے معاشی نظام، علوم القرآن، اسلام کے سیاسی نظام، اور اسلام کے تعلیمی نظام پر کتب تحریر کیں۔ آپ کی کتب میں، اسلام اور سیاسی نظریات، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، سود پر تاریخی فیصلہ، اور ہمارا تعلیمی نظام قابل ذکر ہیں۔[4]

---

[1] / تعارف مولانا محمد تقی عثمانی، (7/4/2022) www.Ashrafia.com

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] / تعارف مولانا محمد تقی عثمانی، www.Ashrafia.com

6. امین احسن اصلاحی

امین احسن اصلاحی 1904ء میں ضلع اعظم گڑھ کے یو پی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گاؤں کے دو مکتبوں میں ہوئی ۔ سرکاری مکتب میں مولوی بشیر احمد جبکہ دینی مکتب میں مولوی فصیح احمد ان کے استاد تھے۔ یہاں سے آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ جب دس سال کے ہوئے تو آپ کے چچا مولانا شبلی متکلم ندوی کے ایماء پر امین احسن کے والد نے 9 جنوری 1915ء کو انہیں مدرستہ الاصلاح سرائے میر میں داخل کر دیا۔ 1925ء سے 1930ء تک مولانا عبد الحمید فراہی سے قرآن سیکھنے لگے۔[1]

1972ء میں مولانا امین احسن اصلاحی مالی مشکلات کی بناء پر لاہور چھوڑ کر شیخوپورہ کے نواح میں ایک گاؤں رحمان آباد میں منتقل ہو گے جہاں ان کی اہلیہ کی زمین تھی۔ یہاں تفسیر کے کام میں یکسو ہو کر مصروف ہوئے۔ تحریر میں تسلسل اور تیزی آئی۔ 1980ء میں نظم القرآن کی بنیاد پر آپ کی معروف تفسیر تدبر القرآن 'تقریباً تیئیس سالہ محنت شاقہ کے بعد نو جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کے علاوہ دیگر تصانیف میں تزکیہ نفس، حقیقت شرک و توحید، اسلامی ریاست، اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام اور اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل شامل ہیں۔[2]

مولانا امین احسن اصلاحی نے 15 دسمبر 1997ء کو وفات پائی۔[3]

---

[1] شہزادہ سلیم، **مولانا اصلاحی کی کہانی اس کی زبانی**، ماہ نامہ: اشراق، جلد و شمارہ ندارد، (لاہور: المورد، جنوری۔ فروری 1999ء)، ص 109

[2] ایضاً

[3] ایضاً

باب دوم

استحکام ریاست میں مذہب کا کردار اور علماء و مفکرین کی آراء

فصل اول: نظم معیشت

فصل دوم: نظم عدل و انصاف

فصل سوم: نظم دفاع

فصل اول

نظم معیشت

معیشت ہر ریاست میں ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہے۔اسلامی ریاست کے استحکام میں نظم معیشت کا اہم کردار ہے۔اسلام کا نظم معیشت ایسے اقدامات پر مشتمل ہے جو ریاست کو عدم استحکام کا شکار ہونے سے بچاتا ہے۔ذیل میں ہم ریاست کے استحکام میں اسلامی نظام معیشت کے چند پہلوں کا مختصر جائزہ لیں گے۔ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے اسلامی نظام معیشت کا کردار دو بڑی صورتوں میں معاون ثابت ہوتا ہے۔عالمی نظام معیشت اور داخلی یا قومی نظام معیشت۔اس کی وضاحت منتخب علماءو مفکرین کی آراء کی روشنی میں پیش کی جارہی ہیں۔

(الف) عالمی نظام معیشت

عالمی طور پر معاشی لحاظ سے کسی ایسی ریاست ،ادارہ یا تنظیم کا محتاج نہ ہو جو اس کی معیشت کو جب چاہے بگاڑ کر ریاست کو عدم استحکام کا شکار کردے۔موجودہ دور میں تمام اسلامی ممالک کا معاشی نظام ایک ایسے ادارے کے زیر کردیا گیا ہے جو غیر اسلامی پالیسیوں کی وجہ سے اسلامی ممالک پر جب چاہے عدم استحکام لا سکتا ہے۔اس کے علاوہ اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ممالک کو اپنی معیشت سنبھالنے کیلئے ترقی یافتہ ممالک سے امداد یا قرض لینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔قرضوں کی فراہمی سے عالمی طاقتوں کا مقصد مقروض ممالک کو اقتصادی لحاظ سے غیر مستحکم کرنا اور ان کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر کے انہیں کمزور رکھنا ہوتا ہے۔عالمی ممالک اور تنظیموں سے قرضے لینے کے اثرات کے بارے میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں۔

> "مختلف ممالک اپنا نظام مملکت چلانے کیلئے معاہدات کرتے ہیں۔جن میں معالی امداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔اگر ان میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت ،خود غرضی، عناد اور حسد و رقابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔چونکہ سود کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں اس لئے مقروض ملک کی رعایا میں قرض خواہ ملک کیلئے نفرت و حقارت کے جذبات سر اٹھانے لگتے ہیں۔جس کا اثر نتیجہ جنگ اور امن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔"[1]

---

[1] طاہر القادری، **اقتصادیات اسلام**، (لاہور: منہاج القرآن پرنٹرز، 2007ء)، ص305

عالمی تنظیمیں اور طاقتور ممالک سے قرض لینے کی صورت میں ریاست کو اہم ذرائع گروی بھی رکھنے پڑتے ہیں اور موجودہ دور میں قرضوں پر سود لاگو ہوتا ہے۔ مقروض ممالک کو سود کے ساتھ قرض کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ جو ریاست اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے سود لیتی ہے وہ کس طرح اس قابل ہو سکتی ہے کہ سود بھی ادا کرے اور قرض بھی ادا کرے۔ اس کے علاوہ اپنی ضروریات کو بھی پورا کرے۔ لہذا سود کی وجہ سے ریاست کو پھر مزید قرض لینے پڑتے ہیں اور یوں وہ قرض میں مکمل ڈوب جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قرض اور سود کی ادائیگی کیلئے ریاست کو اپنی رعایا پر بھاری ٹیکس لگانے پڑتے ہیں۔ جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ مولانا مودودیؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"قرض دار ملک کی حکومت اس پھندے سے نکلنے کیلئے کوشش کرتی ہے کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ اور مصارف میں مزید تخفیف کر کے کسی طرح جلدی سے جلدی اس سے چھٹکارا پائے۔ مگر اس کا اثر باشندگان ملک پر پڑتا ہے کہ پیہم اور روز افزوں مالی بار اور معاشی تکلیف اٹھاتے اٹھاتے ان کے مزاج میں تلخی آجاتی ہے۔ بیرونی قرض خواہ کی چوٹوں اور سیاسی دباؤ پر وہ اور زیادہ چڑ جاتے ہیں۔ اپنے ملک کے اعتدال پسند مدبروں پر ان کا غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور معاملہ فہم لوگوں کو چھوڑ کر وہ انتہا پسند جواریوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔"[1]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ موجودہ عالمی نظام معیشت کو یہودیوں کا قائم کردہ استحصالی نظام سمجھتے ہیں۔ جس کا مقصد ریاستوں کو عدم استحکام کا شکار کرنا ہے۔ اسلامی ریاست کو بھی چاہیے کہ ان عالمی تنظیموں سے قرض نہ لیں۔ کیونکہ یہ قرض سود کی صورت میں اسلامی ریاست کو غیر مستحکم کر دیتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کی ایک سطح مالیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔"[2]

لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے عالمی تنظیموں اور غیر اسلامی ممالک کی اقتصادی محکومی سے بچنے کیلئے اسلامی ریاست کو اپنے وسائل کو استعمال کر کے معیشت مستحکم کرنی ہو گی۔ کیونکہ مستحکم معیشت ہی بیرونی قرضوں سے نجات دلا سکتی ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہونے سے بچ جاتی ہے۔

---

[1] مودودی، ابوالاعلیٰ، سود، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1967ء)، ص92

[2] اسرار احمد، **پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر**، (مکتبہ خدام القرآن، 2006)، ص4

(ب) داخلی یا قومی سطح پر نظام معیشت

(ا) نظام محاصل

کسی بھی ریاست کو چلانے کے لئے بیت المال یا وزارت خزانہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ مملکت کے جملہ اخراجات کو احسن طریقے سے پورا کیا جاسکے اور ریاست کی رعایا کی کفالت عامہ کے نظام کو بھی کسی رکاوٹ کے بغیر چلایا جاسکے۔ لہذا اسلام کے نظم معیشت کا پہلا اور بنیادی کام نظام محاصل کا قیام ہے۔ کیونکہ نظام محاصل سے ریاست کی معیشت کو بہتر انداز میں چلایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> "مسجد نبوی کے متصل ایک کمرہ تھا جس کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے اس میں سرکاری اموال اور اجناس رکھے جاتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ پہلا بیت المال اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے وزیر مالیات تھے۔"[1]

نظام محاصل کے قیام کے بعد اسلام نے نظام محاصل کے ذرائع کے بارے میں تعلیمات دی ہیں کہ اس نظام محاصل کے کون سے ذرائع ہیں۔ مولانا مودودی نظام محاصل کے ذرائع کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "ٹیکس عائد کرنے کے بارے میں قرآن اس اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ٹیکسوں کا بار صرف ان لوگوں پر پڑنا چاہیے جو اپنی ضرورت سے زیادہ مال رکھتے ہوں اور ان کی دولت کے بھی صرف اس حصے پر ڈالنا چاہیے جو ان کی ضرورت سے زائد بچتا ہو۔"[2]

لیکن ڈاکٹر اسرار احمد نظام محاصل کے ذرائع کے بارے الگ نظریہ رکھتے ہیں۔ آپ نے نظام محاصل کے زرائع کی تقسیم دو صورتوں میں کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "اسلامی نظام مملکت میں نظام محاصل کے بارے میں ایک اہم اور اصولی بات اور بھی ہے جو مد نظر رہنی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست اصلاً ایک نظریاتی ریاست ہے۔ اگرچہ اس کی حدود میں بسنے والے تمام شہری بلا امتیاز مذہب وملت بعض اعتبار سے بالکل مساوی ہیں جیسے حرمت جان ومال میں۔ تاہم بہت سے اعتبارات میں شہریوں کا دو حصوں میں منقسم ہونا لازم ولابد ہے۔ یعنی ایک وہ جو اس نظریہ کو ماننے والے ہوں جس پر ریاست قائم ہے اور دوسرے وہ جو اسے نہ مانتے ہوں۔ چنانچہ اسلام کے نظام محاصل کے اعتبار سے بھی ایک اہم اور

---

[1] محمد حمید اللہ، **خطبات بہاولپور**، (بہاولپور: جامعہ اسلامیہ، 2005ء)، ص183

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، **قرآن کی معاشی تعلیمات**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1997ء)، ص64

بنیادی تقسیم اسی اعتبار سے ہے کہ بعض کی ادائیگی صرف مسلمانوں پر ہے یعنی اسلامی ریاست کے اصول و مبادی ماننے والوں پر اور بعض کی غیر مسلموں پر یعنی ان پر جو ان اصولوں کو نہیں مانتے۔ پھر یہ کہ ان کی نوعیت میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے اور ان کی مدّات صَرف میں اساسی اور بنیادی فرق ہے۔"[1]

لہذا اسلامی نظم معیشت میں نظام محاصل کے ذرائع ناجائز نہیں ہیں۔ اگر نظام محاصل کے ذرائع ناجائز ہوں، کسی کے حق پہ ڈاکہ ڈالنے پر منحصر ہوں تو ایسی ریاست کا نظم معیشت بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسلام کے نظم معیشت کا نظام محاصل جائز ذرائع پر مشتمل ہے جس سے اسلامی ریاست مستحکم رہتی ہے۔

(۲) بنیادی معاشی ضروریات کی عدم فراہمی

ریاست میں ہر شخص کی بنیادی معاشی ضروریات کی عدم فراہمی ریاست کو عدم استحکام کا شکار کر دیتی ہے۔ اسلامی نظم معشیت میں ریاست میں بنیادی معاشی ضروریات کی فراہمی اولین ترجیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ اسلامی ریاست میں انسان کی معاشی ضروریات کا پورا ہونا لازمی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((لَيْسَ لابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هَذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ))[2]

(ابن آدم کیلئے سوائے ان امور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کیلئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی۔)

اسلامی ریاست میں فرد کی بنیادی معاشی ضروریات پوری نہ ہونے کے بارے میں ڈاکٹر طاہر القادری بیان کرتے ہیں۔

"انسان کی پیدا کردہ ناہمواریاں ریاست میں فرد کو بنیادی معاشی ضروریات سے محروم رکھتی ہیں۔ کچھ لوگ نان شبینہ جیسی بنیادی زندگی کو ترستے ہیں اور کچھ لوگ وسائل رزق پر قابض ہونے کے باعث پر تعش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ غیر اسلامی استحصالی نظام نے ریاست کے افراد کے بنیادی حقوق چھین لئے ہیں۔ اس نظام نے ریاست کے عام افراد کا حق چھین کر جن صاحب ثروت افراد کی جھولی میں ڈال دیا ہے ان سے واپس لے کر ریاست میں بنیادی معاشی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ بنیادی معاشی ضروریات کی عدم فراہمی سے ریاست کا فرد غیر

---

[1] اسرار احمد، **اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل**، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن)، ص 81

[2] ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب لیس لابن آدم حق فی سوی، ح 2341

قانونی ذرائع استعمال کرتا ہے جس سے جرائم میں اضافہ ہوتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔"[1]

لہذا اسلامی ریاست کو چاہیے کہ اگر کوئی فرد بنیادی معاشی ضروریات سے محروم ہے تو اس کی بنیادی ضروریات کو پورا کر کے ریاست کو عدم استحکام سے بچایا جائے۔اس صورت کے حوالہ سے ڈاکٹر طاہر القادری مزید لکھتے ہیں کہ اگر ریاست کے افراد کے بنیادی معاشی حقوق کا استحصال ہو تو مال دار لوگوں کے مال سے ان کا حق زبردستی چھین کر بھی ان کو دیا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر طاہر القادری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذیل حدیث مبارکہ سے استنباط کرتے ہیں۔

((مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ- قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ))[2]

(جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ لوٹادے اسے جس کے پاس ضرورت کی سواری نہیں۔جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا اور سامان ہے وہ اس کو لوٹادے جس کے پاس ضرورت کا کھانا نہیں۔اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد اصناف مال کا ذکر فرمایا۔صحابہ فرماتے ہیں: حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد ضرورت کسی شئے میں بھی ہمارا حق نہیں ہے۔)

بالا تبصرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کے لئے ریاست کے افراد کی بنیادی ضروریات کا پورا ہونا ضروری ہے۔اگر ریاست کے افراد بنیادی ضرروریات سے محروم رہے تو وہ مختلف جرائم میں ملوث ہوں گے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہوگی۔

(۳) ذخیرہ اندوزی

ذخیرہ اندوزی ریاست کو عدم استحکام کا شکار بنادیتی ہے۔اسلام کا نظم معیشت ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔اگر کسی ریاست میں ارتکاز دولت کا عمل فروغ پائے تو اس سے ریاست میں ایک ایسی ناہمواری پیدا ہوتی ہے جو بعد میں بگاڑ کے کئی پہلوؤں کو فروغ دیتی ہے۔ قرآن پاک میں بیشتر آیات میں ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے گردش دولت کے مختلف پہلوؤں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[3]

(اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبریں سنادے)

[1] طاہر القادری، اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول، ص206

[2] مسلم، الصحیح، کتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ح1728

[3] توبہ:34

مفتی تقی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں

"اگرچہ یہ آیت براہ راست ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بخل کی وجہ سے مال جمع کرتے رہتے تھے، اور اس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور ان کا اطلاق ان مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو مال و دولت اکھٹا کرتے چلے جائیں اور وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر عائد کئے ہیں جن میں سب سے اہم زکوٰۃ کی ادائیگی ہے"[1]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔

﴿ٱلَّذِى جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُۥ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُۥٓ أَخْلَدَهُۥ كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِى ٱلْحُطَمَةِ﴾[2]

(جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کے رکھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ ہر گز نہیں! وہ ضرور حطمہ (چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا۔)

اسی طرح احادیث میں بھی احتکار و اکتناز کی ممانعت کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

((الجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحتَكِرُ مَلْعُونٌ))[3]

(بازار میں مال لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔)

ذخیرہ اندوزی سے ممانعت کا مقصد دولت کا چند ہاتھوں میں رہ کر اسلامی ریاست کو معاشی عدم استحکام سے بچانا ہے۔ مسلم مفکرین نے اس آیت کے تناظر میں گردش دولت کی اہمیت اور اور ارتکاز دولت کے خطرات سے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"تقسیم دولت کا بڑا مقصد جس کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے وہ یہ ہے کہ دولت کا ذخیرہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشروں میں زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر گردش کرے اور اسی طرح امیر و غریب کا تفاوت جس حد تک اور قابل عمل ہو کم کیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلام کا یہ طرز عمل ہے کہ دولت کا اولین ماخذ اور دہانے ہیں ان پر اس نے کسی فرد یا جماعت کا پہرہ بیٹھنے نہیں دیا بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو ان سے استفادہ کا مساوی حق دیا ہے۔"[4]

---

[1] محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن: ۱/۵۶۳

[2] الھمزہ: 4-2

[3] ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ح2153

[4] محمد شفیع، اسلام کا نظام تقسیم دولت، (کراچی: مکتبہ دار العلوم، 1968ء)، ص37

ذخیرہ اندوزی کو ختم کر کے اسلامی ریاست کو معاشی عدم استحکامی سے بچانے کیلئے اسلام نے مختلف ذرائع بتائے ہیں جن میں زکوۃ، صدقہ، میراث، عشر کی ادائیگی اور سود سے اجتناب وغیرہ ہیں۔ان ذرائع کو اپنا کر دولت ایک ہاتھ میں نہیں رہتی بلکہ گردش کرتی رہتی ہے۔احتکار زر کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

"اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ روپیہ اول تو روک کے نہ رکھا جائے اور رک گیا ہو تو تالاب میں سے زکوۃ کی نہریں نکالی جائیں تاکہ جو کھیت سوکھے ہیں ان کو پانی پہنچے اور گردو پیش کی ساری زمین شاداب ہو جائے۔"[1]

ڈاکٹر طاہر القادری ذخیرہ اندوزی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوۃ اور دوسرے فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار واکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متفق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت وثروت کے حصول کا نام سرمایہ داری ہے۔قرآن حکیم کی آیات زکوۃ وصدقات اور منع احتکار واکتناز کے علاوہ آیات میراث اور قانون وراثت بھی اس حکمت پر مبنی ہیں کہ دولت وثروت جمع ذخیرہ کیلئے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور گردش کیلئے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔"[2]

ان مفکرین کے تبصرہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا چاہیے۔اگر کچھ عناصر ذخیرہ اندوزی کے مرتکب ہوں تو فوراً سرزنش کرنی چاہیے اور ریاست کو معاشی عدم استحکام سے بچانا چاہیے۔

(۴) سرمایہ دارانہ نظام کا کردار

اسلامی نظم معیشت کو غیر مستحکم کرنے میں سرمایہ دارانہ نظام کا اہم کردار ہے۔کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی گردش نہیں ہوتی اور دولت ایک ہی ہاتھ میں رہ جاتی ہے۔محنت کش طبقہ کا استحصال کیا جاتا ہے۔محنت کش طبقہ کا استحصال کیا جائے گا تو معاشرے میں بے شمار معاشی مسائل جنم لیتے ہیں۔سرمایہ داری یہ ہے کہ محض سرمایہ کو نفع اندوزی کا ذریعہ بنایا جائے۔محنت بھی نہ کی جائے اور نقصان میں بھی شرکت نہ کی جائے۔اس کا نتیجہ دولت کے ارتکاز کی صورت میں نکلتا ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] مودودی، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**، ص83

[2] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول وضوابط**، ص292

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[1]

(ایسا نہ ہونا چاہیے کہ سرمایہ صرف تمہارے دولت مندوں کے ہی درمیان گردش کرتا رہے۔)

سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کے بجائے سرمایہ دار کے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس بارے لکھتے ہیں۔

"اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے۔جبکہ سرمایہ کو محض سرمایہ کی حیثیت سے earning factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی chance کو محض chance کی حیثیت سے کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ حرام ہے۔جب سرمایہ سرمائے کی حیثیت سے earning agent بنتا ہے۔"[2]

سرمایہ دارانہ نظام ریاست میں ایسی خرابیاں پیدا کرتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔اس نظام میں سرمایہ حاصل کرنے کیلئے مصنوعی طور پر چیزوں کی قیمتیں بڑھائی جاتی ہے۔ منصوبوں کے تحت اشیاء کا قحط پیدا کیا جاتا ہے۔جس کا نقصان نہ صرف رعایا کو اٹھانا پڑتا ہے بلکہ اس سے ریاست کی معیشت کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔مولانا مودودیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ابھی تک نظام سرمایہ داری کا یہ عیب دور نہیں ہوا کہ مصنوعی طور پر قیمتیں چڑھائی جاتی ہیں اور باقاعدہ منصوبے بنا بنا کر بعض اشیاء کا قحط پیدا کیا جاتا ہے۔"[3]

سرمایہ دارانہ نظام کا محور چونکہ ذاتی مفاد ہوتا ہے اس لئے حلال و حرام کی تمیز بھی نہیں کی جاتی۔ حلال و حرام کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے معاشی نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ مفتی تقی عثمانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ذاتی منافع کے محرک پر حلال و حرام کی پابندی نہ ہونے کی وجہ سے سود، قمار، سٹہ وغیرہ سب سرمایہ دارانہ نظام میں جائز ہیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو معیشت میں فطری طور پر بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔"[4]

لہذا حلال و حرام کی تمیز نہ ہونے سے سرمایہ دار طبقہ دولت وافر مقدار میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جس سے غریب مزدور پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی مزید لکھتے ہیں کہ،

---

[1] الحشر:7

[2] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 2015ء)، ص117

[3] مودودی، ابوالاعلیٰ، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**، ص65

[4] محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت**، (کراچی: ادارۃ المعارف، 1414ھ)، ص36

"سرمایہ دارانہ نظام میں خاص طور پر تقسیم دولت کا نظام ناہمواری کا شکار رہتا ہے۔اس ناہمواری کا سبب سود اور قمار ہے۔ اس کے نتیجے میں دولت کے بھاؤ کا رخ امیروں کی طرف رہتا ہے، غریب اور عوام کی طرف نہیں ہوتا۔"[1]

سرمایہ دار طبقہ جب دیکھتا ہے کہ اس کا مال من پسند طریقوں سے نہیں بک رہا تو وہ روک دیتے ہیں۔ جس سے کارخانے نیا مال بنانے سے رک جاتے ہیں اور بے روزگاری بڑھ جاتی ہے۔اس کا نقصان ریاست اور رعایا کو اٹھانا پڑتا ہے۔ مولانا مودودی اس نکتہ پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نظام سرمایہ داری کو وہ بیماری لگی ہوئی ہے جسے کاروبار کا چکر (cycle trade) کہتے ہیں۔ جس میں ہر چند سال کی گرم بازاری کے بعد دنیا کی معیشت پر کساد بازاری کے دورے پڑتے ہیں۔کاروبار کی دنیا پوری رفتار کے ساتھ مزے سے چل رہی ہوتی ہے کہ یکایک تجار محسوس کرتے ہیں کہ جو مال ان کے گوداموں میں آرہا ہے وہ مناسب رفتار سے نہیں نکل رہا۔ وہ ذرا فرمائشیں روکتے ہیں۔صناع یہ حال دیکھ کر ذرا مال کی تیاری سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔ سرمایہ دار خطرے کی اس علامت کو بھانپتے ہوئے قرض سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور پہلے کا دیا ہوا بھی واپس مانگ لیتا ہے۔ کارخانے بند ہونے شروع ہوتے ہیں، بے روزگاری بڑھتی ہے۔ قیمتیں گرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ تاجر اور گاہک مزید قیمتیں گرنے کی امید پر فرمائش اور خریداری سے ہاتھ روکتے ہیں۔ چلتے ہوئے کارخانے بھی پیداوار کم کر دیتے ہیں۔ بے روزگاری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ حکومتیں آمدنی دیکھ کر مصارف میں کمی کرنے لگتی ہے۔ کساد بازاری میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔"[2]

لہذا مسلم مفکرین کے بالا اقوال سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جس میں سود، جوا اور جاگیر داری عوامل ہوں معیشت میں بگاڑ پیدا کرتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ مسلم مفکرین کے مطابق اسلام نے اس کے عوض جو معاشی نظام مہیا کیا ہے اس سے معیشت میں بگاڑ پیدا ہوتا نہیں ہوتا اور سماج میں خوش حالی اور اسلامی ریاست مستحکم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں کہ

"اپنا سرمایا یہ لگائے اور اپنی محنت کرے، دوسرا ایک سے زائد لوگ مل کر سرمایہ اور محنت لگائیں اسے شراکت کہا جائے گا۔ مگر اس میں اسلامی نقطہ نظر سے ایک شرط عائد کی گئی ہے کہ شرکت محدود ذمہ داری کا تصور نہ ہو۔ یہ تصور حرام ہے۔ دنیا میں تمام سکینڈلز اسی limited

---

[1] ایضا: ص37

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**، ص66

inability کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ آپ نے اپنے سرمائے کو نکال لیا ۔اپنے assests بنا لئے اور پھر کمپنی کا دیوالیہ قرار دے دیا۔ اب وہ روتے پھریں جن کو ادائیگیاں کرنا آپ کے ذمہ تھا۔ آپ کی ذاتی جائیداد سے وہ اپنا قرضہ وصول نہیں کر سکتے۔ شراکت کے نظام میں مکمل ذمہ داری ہونی چاہیے۔"[1]

لہذا اسلام کا نظریہ شراکت اور مضاربت ہی معیشت کے استحکام میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی بھی اسلام کے نظریہ شراکت اور مضاربت کو بنیادی عناصر سمجھتے ہیں جو کہ ریاست کو معاشی لحاظ سے عدم استحکام سے بچا سکتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"دراصل سود کے خاتمے کے بعد اس کا حقیقی، اصلی اور مستقل طور پر قابل عمل متبادل مشارکہ اور مضاربہ ہی ہیں۔ تجارت اور سرمایہ کاری کے باب میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان فقہاء نے جو دو اہم ادارے تشکیل دیتے ہیں وہ مشارکہ اور مضاربہ ہی کے تھے۔"[2]

اس کے علاوہ مسلم مفکرین اسلام کے نظریہ وراثت کے ذریعہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کا کلیہ پیش کرتے ہیں۔ اسلام کا وراثت کا نظام سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سرمایہ داری کی ابتداء خاندانی نظام سے ہوتی ہے جب خاندان میں موجود افراد کو وراثت میں حصہ نہ دے کر ان کے حقوق پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ اسلام کے نظم معیشت میں سرمایہ داری کا کوئی مقام نہیں۔ سرمایہ داری کے ذریعے نظام معیشت تباہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسلام سرمایہ داری کو حوصلہ شکنی کر کے اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔

(۵) سودی نظام کا خاتمہ

ریاست کے عدم استحکام میں ذخیرہ اندوزی کے ساتھ ساتھ سودی نظام کا بھی بہت اہم کردار ہے۔ ریاست میں معیشت کی ترقی واستحکام اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم میں سب سے بڑی رکاوٹ سودی نظام معیشت ہے جو کہ بیشتر اقتصادی اور سماجی مسائل کا سبب بنتی ہے۔ سودخوری کی وجہ سے ریاست میں معاشی عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بے روزگاری اور تجارت میں منفی رجحان پیدا ہوتا ہے۔

سود کا خاتمہ اسلامی نظم معیشت کا اہم عمل ہے۔ سود کے خاتمہ سے سرماہ دارانہ ذہنیت اور اقتصادی شعبہ میں استحصال کا خاتمہ ہو گا۔ اسلام نے سود کو کسی بڑی یا چھوٹی حالت میں قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، ص122

[2] غازی، محمود احمد، **حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام**، (اسلام آباد: ناشر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، 1993ء)، ص67

﴿يَأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾[1]

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اعلان جنگ پر خبر دار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں۔ نہ تم خود ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔)

قرآن مجید میں سود کی حرمت کے ساتھ ساتھ احادیث میں بھی سود خوری کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ))[2]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔)

اس طرح ایک دوسری حدیث میں اس کی وعید کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا، نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً))[3]

(سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ شدید (جرم) ہے۔ بشرطیکہ کھانے والے کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔)

مذکورہ بالا آیات قرآنی اور احادث مبارکہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے نظم معیشت میں سود کو کوئی جگہ نہیں دی۔ سود کو حرام فعل قرار دیا اور حرمت نازل ہونے کے باوجود اگر اس پر کوئی عمل کرتا ہے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے اعلان سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ سود معاشی نظام میں بگاڑ پیدا کرتا ہے جس کا ریاست استحکام میں برا اثر پڑتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"دور حاضر میں یہ حقیقت بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ سود ایک شدید معاشی برائی ہے۔ اس کے برے اثرات و نتائج انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں سامنے آئے ہیں۔ گویا سود اپنے اندر روحانی واخلاقی، معاشی و تمدنی، سیاسی اور معاشی نقصانات لیے ہوئے ہے۔"[4]

---

[1] ایضا:278,279

[2] مسلم،الصحیح،کتاب المساقۃ، باب لعن آکل الرباومؤکلہ،ح1597

[3] التبریزی، محمد بن عبداللہ،مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا،ح2825

[4] طاہر القادری،اقتصادیات اسلام،ص304

سود کی وجہ سے معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہوتا ہے جس کا ریاست کے استحکام میں بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ سودی کاروبار کی وجہ سے انسان میں خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے۔ خود غرضی کی وجہ سے انسان کے اندر انسانیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ مولانا مودودی اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"جس معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں کوئی اپنی ذاتی غرض اور ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے۔ ایک کی حاجت مندی دوسرے کیلئے نفع اندوزی کا موقع بن جائے اور مال دار طبقوں کا مفاد نادار طبقوں کے مفاد کی ضد ہو جائے، ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اس کے اجزاء ہمیشہ انتشار و پراگندگی ہی کی طرف مائل رہیں گے۔"[1]

سود معاشرے میں غریب اور متوسط طبقے کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ جب کسی غریب یا متوسط طبقہ کے فرد کو قلیل معاش کی وجہ سے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے تو سود کی وجہ سے وہ قرض بڑی مقدار میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اہل ثروت طبقہ خود غرض بن کے غریب اور متوسط طبقہ کا معاشی قتل کر دیتا ہے۔ لہذا سود بہت سے جرائم کو جنم دے کر معاشرتی نظام میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے جس سے ریاست معاشرتی اور معاشی طور پر عدم استحکام شکار ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"مختلف ممالک اپنا نظام مملکت چلانے کیلئے معاہدات کرتے ہیں۔ جن میں معالی امداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت ،خود غرضی، عناد اور حسد ور قابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ سود کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں اس لئے مقروض ملک کی رعایا میں قرض خواہ ملک کیلئے نفرت و حقارت کے جذبات سر اٹھانے لگتے ہیں۔ جس کا اثر نتیجہ جنگ اور امن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔"[2]

سود ایسے مسائل کو جنم دیتا ہے کہ جس سے عوام الناس میں غریب اور متوسط طبقہ بدحالی کا شکار ہوتا ہے۔ جس سے اسلامی ریاست اندرونی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ سود کے اہم معاشی نقصانات میں غریب طبقہ کی مصیبت میں اضافہ، عوام الناس کی قو ت خرید میں کمی، اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ، ارتکاز دولت، گردش دولت میں کمی، تجارتی چکر اور کساد بازاری، قرض حسنہ کا خاتمہ، وسیع پیمانے پر معاشی استحصال، سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی، بیروزگاری میں اضافہ اور تعیشات اور عیش پرست زندگی شامل میں جس سے سماجی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ سود معیشت میں ناسور کا کردار ادا کرتا ہے جو اس کو آہستہ آہستہ تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ غریب طبقہ کا استحصال ہوتا ہے

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، **سود**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1968ء)، ص 76

[2] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول و ضوابط**، ص 305

اور امیر طبقہ دن بہ دن امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ ریاست کو مستحکم کرنے کیلیئے سود کے نظام کا خاتمہ ضروری ہے۔

(۶) بینکاری

موجودہ دور میں تمام ریاستوں میں بینکاری کا نظام رائج ہے۔ اسلام کے نظم معیشت نے بینکاری کے نظام کو رد نہیں کیا۔ کیونکہ یہ موجودہ زمانے کی تمدنی زندگی اور کاروباری ضروریات کیلیئے مفید ہے بلکہ اس میں انسانیت دشمن عناصر کی مخالفت کی ہے جس نے اس کو گندا کر رکھا ہے۔ بینکنگ کی اسلامی صورت ہی ریاست کو معاشی لحاظ سے عدم استحکام سے بچا سکتی ہے۔ مولانا مودودی اس موضوع پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "بینکنگ کی ساری خوبیوں اور منفعتوں کو سودی نظام نے الٹ کر پورے تمدن کے لئے برائیوں اور مضرتوں سے بدل دیا ہے۔ سود کش سے جو سرمایہ کھچ کھچ کر بینکوں میں مرتکز ہوتا ہے وہ عملاً چند خود غرض سرمایہ داروں کی دولت بن کر رہ جاتا ہے جسے وہ نہایت دشمنِ اجتماع طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ ان خرابیوں کو اگر دور کیا جائے تو بینکنگ ایک پاکیزہ کام بھی ہو جائے گا۔"[1]

ڈاکٹر محمود احمد غازی بینکنگ کے سودی نظام کے بدلے مشارکہ اور مضاربہ کو نظریہ پیش کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اگر مشارکہ اور مضاربہ کو بینکنگ میں عمل میں لایا جائے تو بینکنگ اچھا نظام ہو سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "دراصل سود کے خاتمے کے بعد اس کا حقیقی، اصلی اور مستقل طور پر قابل عمل متبادل مشارکہ اور مضاربہ ہی ہیں۔ تجارت اور سرمایہ کاری کے باب میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان فقہاء نے جو دو اہم ادارے تشکیل دیے ہیں وہ مشارکہ اور مضاربہ ہی کے تھے۔"[2]

موجودہ بینکنگ نظام نہ صرف ریاست کے معاشی نظام میں عدم استحکام پیدا کرتا ہے بلکہ معاشرہ کو بھی برے طریقے سے متاثر کرتا ہے۔ جس پیسے پر اللہ تعالی نے حقدار کے حقوق رکھے تھے سود کی لالچ میں لوگ بینکوں میں رکھوا دیتے ہیں۔ جس سے وہ پیسہ زکوۃ، صدقہ اور خیرات سے بچ جاتا ہے۔ اس پیسے پر اللہ تعالی معاشرے کے جن حقدار کے حقوق بتائے تھے ادا نہیں ہوتے۔ جس سے معاشرہ میں عدم استحکام جنم لیتا ہے۔ لہذا بینک کے نظام سے اگر سودی نظام نکال دیا جائے تو یہ پیسہ معاشرے میں گردش کرے گا۔ جس سے کاروبار کو فروغ ملے گا۔ سودی نظام کو اگر بینکنگ سے نکال دیا جائے تو لوگ اپنا پیسہ نہیں رکھیں گے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا نظریہ شراکت و مضاربت قابل فائدہ نہیں ہے۔ اس پر مولانا مودودی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] مودودی، سود، ص148

[2] غازی، محمود احمد، **حرمت ربا اور غیر سود مالیاتی نظام**، (اسلام آباد: ناشر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، 1993ء)، ص67

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ انسداد سود کے بعد بینکوں میں سرمایہ اکٹھا ہونا ہی بند ہو جائے گا وہ غلطی پر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں جب سود ملنے کی توقع کی نہ ہو گی تو لوگ کیوں اپنی اضل آمدنیاں بینک میں رکھوائیں گے۔ حالانکہ اس وقت سود کی نہ سہی، نفع کی ملنے کی توقع ضرور ہو گی۔"[1]

موجودہ بیکنگ کے نظام میں بینک میں موجود سرمایہ سے کاروبار کرنے کی صورت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ سرمایہ داروں کے حصہ میں جاتا ہے۔ جس سے صرف ایک مخصوص طبقہ نفع پر قابض ہو رہا ہے۔ جبکہ حامل سرمایہ کو منتخب سود کی شرح کے مطابق نفع دیا جاتا ہے۔ اسلامی بینکنگ کے نظام میں بینک میں موجود سرمایہ سے کاروبار کرنے کی صورت میں حامل سرمایہ کو نفع میں سے پورا حصہ ملتا ہے اور تمام بینکوں کو بیت المال یا اسٹیٹ بینک کنڑول کرتی ہے۔

جدید بینکاری نظام سرمایہ دارانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس استحصالی نظام میں محنت کے بجائے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس نظام میں سرمایہ ہی بطور سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں earning agent بنتا ہے اور سودی لین دین اس کا جز لاینفک ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں سرمایہ کے بجائے محنت کو تحفظ حاصل ہے۔ قرض کے معاملے میں سودی لالچ کے بجائے اسلام کی عظیم اخلاقی قدروں کا رواج ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سمجھتے ہیں کہ کچھ موجودہ مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادیں حیلے میں پیوستہ ہیں۔ فقہی حیلوں سے اس نظام کا جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"بیع مؤجل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آپ کوئی چیز نقد رقم ادا کر کے لیں تب تو مثلاً آپ سے ۱۰۰ روپے قیمت وصول کی جائے گی۔ لیکن اگر آپ قیمت سال بھر کے بعد ادا کریں تو قیمت مثلاً ۱۲۰ روپے وصول کی جائیگی۔ ہمارے پاس اس کے جواز کا بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ عرض کروں گا عقل اور منطق کے استدلال سے اس میں سود میں کیا فرق ہے؟ وہ چیزیں جو بازار میں نقد قیمت پر دستیاب ہیں ان کو اگر آپ قسطوں پر لیں اور قیمت زیادہ ادا کریں، تو قیمت میں جو اضافہ ہے اسے سود کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ عجیب بات ہے کہ اس جواز کا کوئی معین فتویٰ بھی نہیں ہے۔ بس ایک عبارت کہیں سے نکلی ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح پر ہیں 'کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کا رواج ہے'۔ اب اس عبارت کو لیکر ہمارے ہاں قسطوں کا جو سارا کاروبار ہو رہا ہے اس کا جواز ڈھونڈا جا رہا ہے۔ اسی طرح مختلف فقہی حیلوں سے بیع مؤجل کے جواز کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔"[2]

لہذا موجودہ بینکنگ کے نظام کے ذریعے معیشت ہمیشہ عدم استحکام کا شکار رہتی ہے۔ اسلام کا نظم معیشت جو بینکنگ کا نظام پیش کرتا ہے اس کے ذریعے اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچایا جا سکتا ہے۔

---

[1] مودودی، سود، ص149

[2] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن)2015ء، ص135

(۷) ناجائز ذرائع سے اکتساب مال

اسلامی ریاست کی مستحکم معیشت کا انحصار رعایا کے اکتساب پر منحصر ہے۔ اگر اکتساب جائز طریقوں سے صحیح معنٰی میں کیا جائے تو معیشت عدم استحکام کا شکار نہیں ہوتی۔ اگر ناجائز ذرائع سے اکتساب مال کیا جائے تو معیشت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ اسلام کمائی کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز کرتا ہے۔ یہ امتیاز اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے وہ تمام طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص کے نقصان پر مبنی ہو۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

> "معاشی معاملات میں جائز اور ناجائز، حلال و حرام کی اساس یہ ہے کہ وہ تمام ذرائع جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری، سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو، وہ تمام وسائل اور ذرائع شریعت میں ممنوع اور خلاف قانون ہیں۔"[1]

اسلام اکتساب مال کیلئے انہی ذرائع کو اپنانے کا حکم دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ مولانا مودودی کے مطابق انسان خود سے اکتساب مال کے ذرائع منتخب نہیں کر سکتا۔ انسان خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اکتساب مال کے معاملے میں آزاد ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "اسی بنیاد پر قرآن یہ اصول قائم کرتا ہے کہ انسان ان ذرائع کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں نہ تو آزاد ہے، نہ آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے خود حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے حدود وضع کر لینے کا مجاز ہے۔ بلکہ یہ حق خدا کا ہے کہ اس کیلئے حدود مقرر کرے۔"[2]

لہذا اسلامی نظم معیشت میں ناجائز ذرائع مال سے ممانعت کی گئی ہے جس سے معاشی نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ اعلٰی طرز زندگی گزارنے سے اور حقدار کو خدا کی طرف سے دیے گئے حقوق نہ دینے سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور وہ افراد بہت سے جرائم کے مرتکب ہونگے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاحب ثروت پر لاچار و مساکین کے حقوق فرض کئے ہیں تاکہ ان کی زندگی کی ضروریات بھی پوری ہو سکیں اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہونے سے بچ جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کے نظم معیشت کا ریاست کو مستحکم کرنے میں بات کرتے ہوئے منتخب علماو مفکرین کی آراء میں اشتراک اور بعض مقامات پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا مودودی اسلامی ریاست کو نہ صرف عالمی سطح پر محض معاشی لحاظ

---

[1] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول و ضوابط**، ص 217

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، **معاشیات اسلام**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1991ء)، ص 71

سے غیر منحصر ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے سنگین نتائج پر بھی بات کرتے ہیں۔ سنگین نتائج بھاری ٹیکس کے بوجھ کی صورت میں رعایا کو اٹھانا پڑتا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلامی ریاست کو عالمی سطح پر معاشی لحاظ سے غیر منحصر ہونے پر زور دیا ہے۔ڈاکٹر طاہر القادری واحد مفکر ہیں جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب کچھ لوگ رعایا کا استحصال کر کے ان کے حقوق چھین لے تو ریاست کو چاہیے کہ ان سے واپس لے کر لوگوں کو دے۔ورنہ ریاست میں جرائم میں اضافہ ہو جائے گا۔

مولانا مودودی نے سرمایہ داری کے رعایاپر برے اثرات کو واضح کیا ہے جن میں مصنوعی طور پر قیمتوں کا بڑھ جانااور مال کے اچھی قیمت پر نہ بکنے کی صورت میں گوداموں میں روک کر مال کی قلت پیدا کر کے قیمتیں بڑھانا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام میں اصل تحفظ محنت کو حاصل ہے نہ کہ سرمایہ کو۔اسلامی ریاست میں معاشی نظام کو بگاڑنے کیلئے سود کے منفی اثرات پر تمام منتخب مفکرین مشترک رائے رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اسلامی ریاست جبراً زکوۃ وصول کر سکتی ہے تاکہ ریاست جن لوگوں کی کفالت کا ذمہ لیتی ہے وہ پورا کر سکے۔

تمام مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ سود روحانی،اخلاقی، معاشی وتمدنی اور سیاسی نقصانات کا سبب بنتا ہے۔ سود انسان کو خود غرض بنا دیتا ہے جس سے انسان کسی دوسرے انسان کی مصیبت میں کام نہیں آتااور ریاست میں لوگوں کے درمیان عدم کی تعاون کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ مولانا مودودی یہ رائے رکھتے ہیں پرائیوٹ بینکوں پر حکومت کا اقتدار ہونا چاہیے۔

فصل دوم: نظم عدل وانصاف

فصل دوم

نظم عدل وانصاف

اسلامی شریعت میں عدل کا تصور دو اجزاء سے عبارت ہے۔ایک یہ کہ بنی نوع انسان کے درمیان مختلف حقوق ورعایات میں توازن و تناسب قائم کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہر کسی کو اس کا استحقاق دیا جائے اور اس کے حق کو ادا کرنے کی یقینی صورت پیدا کی جائے۔اس تصورِ عدل کے بغیر فرد ہو یا معاشرہ یا ریاست، ہلاکت خیز اور سنگین نتائج کا سامنا کرتے ہیں۔ سورہ شوریٰ میں نظامِ عدل کے ساتھ قیامِ عدل کی بات کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قاضی اور جج کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور آپ کو ضوابطِ شریعت کے مطابق عدل قائم کرنے کا فرض سونپا جارہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ﴾[1]

(اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں)

امین احسن اصلاحی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

> "اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں ان ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا کام یہ نہیں ہے کہ کسی گروہ کے حق میں اور کسی کے خلاف تعصب برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے،اور وہ ہے سراسر عدل وانصاف کا تعلق۔ جس کی جو بات حق ہے، میں اس کا ساتھی ہوں، خواہ وہ غیروں کا غیر ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس کی جو بات حق کے خلاف ہے میں اس کا مخالف ہوں، خواہ وہ میرا قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔"[2]

کتب سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے مکی زندگی میں عقائد میں عدل کرنے کی تلقین کی اور پھر مدنی زندگی میں جب ابتداء میں چار مربع میل کی اسلامی ریاست وجود میں آگئی تو اس میں قیامِ حق اور نفاذِ عدل کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور اسلامی ریاست کا رقبہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں پھیل گیا۔ اس وسیع سلطنت میں آپ کے قیام عدل کی ذمہ داریوں کے لیے بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی امورِ عدل اور فرائض انصاف تفویض کیے۔

---

[1] الشوریٰ:15

[2] امین احسن اصلاحی،**تدبر القرآن**: ۷/۵۵۷

(ا) قانون کی بالادستی

اسلام کے نظم عدل وانصاف میں ریاست میں قانون کی بالادستی ناگزیر ہے۔اگر ریاست میں قانون کی بالادسی نہ ہو تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔چونکہ اسلامی ریاست میں وہ قانون نافذ ہوتا ہے جس کا بنانے والا خود خداوند کی ذات ہے۔اس لئے اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست کے باشندوں میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اس قانون کو بنانے والا ہر لمحہ ہر لحظہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ظاہری اور چھپے ہونے ہر دو صورتوں میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ تم مقننہ اعلیٰ کی زیر نگرانی ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قانون کی بالادستی کی تعلیمات دیں اور خود بھی اس پر عمل کیا۔ایک مرتبہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلیہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ ابْنَةَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))[1]

(آپ نے فرمایا۔اے اسامہ! کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا (جس میں) آپ نے فرمایا۔پچھلی بہت سی امتیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔)

لہذا اسلام کا نظم عدل انصاف ریاست میں قانون کی بالادستی کی تعلیم دیتا ہے۔اسلام کا نظم عدل وانصاف لوگوں کے دل میں خوف الٰہی اور محبت الٰہی کی وجہ سے قانون کا احترام پیدا کرتا ہے۔جس کی وجہ سے افراد قانون کا زبردستی احترام نہیں کرتے بلکہ خشیت الٰہی اور محبت الٰہی انہیں قانون کا احترام سکھادیتی ہے۔مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"قانون کے احترام کے معنیٰ کسی دباؤ یا خوف کی وجہ سے اس کی پابندی کرنے کے نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خارجی دباؤ کے بغیر آدمی کا دل اس کا احترام اور پابندی کرنے پر آمادہ ہو۔قانون کے تقدس کا تصور اس قدر ذہنوں میں راسخ ہو کہ لوگ اس کی پابندی اس وقت بھی کریں جب کہ اگر وہ اس کو توڑنا چاہیں تو کوئی انہیں دیکھنے والا نہ ہو۔وہ اس جگہ بھی اس کا احترام اپنے دل کے جذبے سے کریں جہاں کوئی پولیس اور سی آئی ڈی دیکھنے اور پکڑنے والا موجود نہ ہو۔"[2]

---

[1] بخاری،الصحیح، کتاب حدیث الانبیاء،ح3475

[2] مودودی، **تفہیمات**، ص207

اسلامی ریاست میں اسلام کا نظمِ عدل و انصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ریاست میں قانون کی بالادستی ہونی چاہیے۔اگر قانون کی بالادستی کو غیر یقینی بنایا جائے تو ریاست عدم استحکام شکار ہو جاتی ہے۔امین احسن اصلاحی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"دنیا کی ہر چھوٹی بڑی ریاست کا حکمران خواہ وہ صدر ہو یا جز قانون سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اور اس کی ذات کے خلاف کسی عدالت میں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔لیکن اسلام میں اوروں کا تو کیا ذکر، خود پیغمبر کو یہ درجہ حاصل نہیں کہ قانون کے معاملے میں عام مسلمانوں سے اس کا مقام کچھ نمایاں ہو۔اگر عام مسلمانوں سے اس کا درجہ اونچا ہے تو اس پہلو سے ہے کہ وہ اول المؤمنین اور اول المسلمین یعنی سب سے پہلے ایمان لانے والا اور قانون کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہے۔"[1]

امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست میں قانون کی عدم بالادستی کی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ ریاست میں امیر اور غریب کیلئے دو الگ الگ قانون ہی اصل میں ریاست میں عدم استحکام کو جنم دیتے ہیں۔

"خیانت و بے ایمانی اور ظلم و زیادتی کا جرم اگر ایک عام شہری سے سرزد ہو تو عام قانون کے تحت وہ فوراً پکڑا جائے، حوالات بھگتے اور ملک کے عام عدالتی نظام کے فیصلوں کے تحت جیل کی ہوا کھائے لیکن اگر وہی جرائم اس سے بہت بڑے پیمانے پر اور اس سے کہیں زیادہ دور رس نتائج کے ساتھ، حکومت کی کرسی پر بیٹھنے والے کسی وزیر یا گورنر صاحب سے صادر ہوں تو حکومت کی منظوری کے بغیر ملک کی کسی بڑی سے بڑی عدالت کو بھی حکومت کو اس چہیتے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا حق نہیں اسلامی ہے۔"[2]

اسلامی نظام عدل و انصاف اس کے برعکس ہے۔اسلامی نظام عدل و انصاف امتیازی سلوک سے پاک ہے۔اس نظام میں ریاست کے تمام افراد کے ساتھ برابر سلوک کیا جاتا ہے۔امین احسن اصلاحی مزید لکھتے ہیں۔

"اسلام اس قسم کی کسی قانونی اور عدالتی تفریق سے کلیتاً پاک ہے۔اس کے رسول نے ایک ہی کام دیا ہے۔جو سب پر یکساں جاری و نافذ ہوتا ہے، خواہ کوئی شخص منصب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہو یا گھاس کی گٹھڑیاں ڈھونڈے والا ہو۔اور اس کے اندر ایک ہی نظام ہے جو ہر

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص125

[2] ایضاً: ص127

قسم کی نزاعات کے فیصلے کرتا ہے، خواہ وہ امیر المومنین اور ایک غریب ذمی کے درمیان پیدا ہوں یا بازار کے دو معمولی چھابڑی لگانے والوں کے درمیان۔"[1]

ڈاکٹر حمید اللہ بھی اسلامی ریاست میں قانون کی بالادستی کی رائے رکھتے ہیں۔ آپ کے مطابق اسلامی ریاست میں حاکم عدالت کو چاہیے کہ بغیر کسی رعایت کے مقدمات کا فیصلہ کرے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"حاکم عدالت بغیر رعایت کے پوری پوری غیر جانبداری کے ساتھ مقدمہ کا فیصلہ کرے گا اور ظالم کو سزا دے کر مظلوم کو اس کا حق دلائے گا۔ کسی شخص کو ظالم کی حمایت کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ چاہے اس کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔"[2]

قانون کی بالاتری پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ دیگر منتخب مسلم مفکرین کی نسبت اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ مکرمہ میں مختلف قسم کی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ عدالتوں کی ان اقسام کا تذکرہ کرنے سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ اسلامی ریاست میں بھی مختلف عدالتوں کی قیام کے حامی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"جہاں تک مکہ کا تعلق ہے ہمیں وہاں شہر کے باشندوں کے جھگڑوں کو چکانے کیلئے تین چیزیں نظر آتی ہیں۔ ایک دیوانی عدالت جس کے حاکمِ عدالت خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ دوسری فوجداری عدالت، ان دونوں کا علاوہ ایک اور ادارہ وہاں پایا جاتا تھا جسے حلف الفضول کا نام دیا گیا۔ یہ (Order of Chivalry) کی صورت تھی"[3]

لہذا ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق اسلامی ریاست میں قانون کی بالادستی ہوگی اور عدلیہ غیر جانب داری سے فیصلہ کرے گی مگر آپ منتخب مسلم مفکرین میں سے واحد ہیں جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کو بیان کرتے ہوئے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ ریاست کے تمام فیصلوں کیلئے صرف ایک ادارہ ہونا ناکافی ہوگا۔ اس تبصرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منتخب مسلم مفکرین کے نزدیک قانون کی بالاتری ہی ریاست کے استحکام کی ضامن ہے۔ اگر ریاست میں قانون کی بالاتری نہ ہو تو ریاست عدم کا استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے قانون کی بالاتری کو ترجیح دیتا ہے۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص128

[2] حمید اللہ، **اسلامی ریاست**، ص73

[3] ایضاً: ص75

(۲) بے معاوضہ انصاف کی فراہمی

اسلام کا نظریہ عدل وانصاف اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ریاست میں موجود تمام رعایا کو عدل وانصاف کی فراہمی بے معاوضہ یعنی بغیر کسی رشوت اور سفارش کے فراہم کیا جائے۔ایسانہ ہو کہ کسی مجرم سے دیرینہ تعلقات کی وجہ سے سزا سے اسے سزا سے بچایا جائے اور کسی مخالف سے نفرت کی وجہ سے اسے سزادی جائے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[1]

(اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہوجاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دو اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو،انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

اگر اسلامی ریاست میں انصاف کی فراہمی کے عوض معاوجہ طلب کیا جائے گا تو منصف انصاف بیچے گا اور انصاف کی فراہمی غیر یقینی ہو جائے گی جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی۔امین احسن اصلاحی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر شہری کو ہر قسم کے ظلم و تعدی سے بچائے اور اس امر کا انتظام کرے کہ کوئی شخص غریب ہو یا امیر، بے اثر ہو یا باثر، یکساں طور پر بغیر کوئی قیمت ادا کئے انصاف حاصل کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے شہریوں کے اس حق کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا تھا کہ میں کسی شخص کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کر سکے۔ جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا ایک گال زمین پر رکھوں گا اور اس کے دوسرے گال پر اپنا پاؤں رکھوں گا یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے۔"[2]

لہذا اسلامی ریاست میں ہر شہری کو بے معاضہ انصاف ملنا ضروری ہے۔ مگر موجودہ دور میں اسلامی ریاستوں میں انصاف کی بلا معاوضہ فراہمی غیر یقینی ہے کیونکہ جس نظام کے تحت اسلامی ریاستیں چل رہی ہیں اس میں بلا معاوضہ انصاف کی فراہمی کا دعویٰ کیا جاتا ہے مگر اس دعویٰ کو پورا نہیں کیا جاتا۔ جس کی وجہ سے اسلامی ریاستیں عدم استحکام کا شکار ہیں۔امین احسن اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں۔

"یہی دعویٰ اس زمانے کی جمہوری حکومتیں بھی کرتی ہیں لیکن انہوں نے انصاف حاصل کرنے کیلئے جو نظام بنائے ہیں وہ ایسے بنائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے اگر انصاف حاصل کر سکتے ہیں تو وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کی قیمت ادا کرنے کیلئے نہایت وسیع وسائل وذرائع رکھتے

[1] مودودی، **اسلام اور عدل اجتماعی**، ص9

[2] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص138

ہوں۔ بے اثر و بے وسیلہ لوگوں کے لئے ان کے اندر انصاف حاصل کر سکنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔"[1]

لہذا یہ بات عیاں ہے کہ اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست میں ہر شہری کو بلامعاوضہ عدل وانصاف مہیا کرنے کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اگر انصاف کو معاوضہ کے رحم و کرم پر چھوڑا جائے تو انصاف صرف امراء ہی حاصل کر سکتے ہیں جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلامی نظام عدل وانصاف بغیر کسی معاوضہ کے انصاف مہیا کر کے ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔ بے معاضہ انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اسلامی نظم عدل وانصاف عدلیہ کی آزادی پر زور دیتا ہے۔ انصاف مہیا کرتے وقت عدلیہ پر کسی قسم کا کوئی سیاسی دباؤ یا معاوضے کی پیش کش کرنا انصاف کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ مولانا مودودی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"قضا کی انتظامیہ سے آزادی کا اصول بھی اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے تھا۔ خلافت عثمانیہ میں قاضیوں کا تقرر اگرچہ خلفاء ہی کرتے تھے مگر جب کوئی شخص مقرر ہو جاتا تھا تو اس پر خدا کے خوف اور اس کے اپنے علم و ضمیر کے سوا کسی کا دباؤ نہ رہتا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی عدالت کے کام میں دخل دینے کی جرات نہ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ قاضی خود خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتے تھے اور دیتے تھے۔"[2]

بالا تبصرے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر عدل کو اہل ثروت تک محدود رکھا جائے تو امراء غرباء کے حقوق مارنا شروع کر دیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس عدل کو حاصل کرنے کی استطاعت نہیں ہو گی۔ اس سے ریاست میں ناانصافی پھیل جائیگی اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی۔ اس لئے اسلام کا نظم عدل وانصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عدل بلا معاوضہ مہیا کیا جائے تاکہ ریاست کے ہر فرد کی دسترس میں ہو اور ریاست عدم استحکام سے بچ جائے۔

(۳) عدل کے قیام کیلئے انفرادی سعی

عدل کا عمل فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست کے تمام اداروں کے ساتھ متعلق ہے۔ عدل انفرادی زندگی کو متاثر کرنے کے بعد دینی اجتماعی شکل میں معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ منتخب مسلم مفکرین میں سے مولانا مودودی اور ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ عدل کے قیام کے لئے ریاست کے ہر فرد کا حصہ ہوتا ہے۔ مولانا مودودی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"عدالت اجتماعیہ در حقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم وعدوان کو روکنے

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص 138

[2] مودودی، **خلافت وملوکیت**، ج 3، ص 127

کیلئے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمات بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح کیلئے درکار ہے۔"[1]

اسلامی ریاست میں عدل کے قیام کیلئے فرد کا کردار اہم ہے۔ کیونکہ ریاست کے حکمران صرف ریاست سطح پر عدل کے قیام کو یقینی بنا سکتے ہیں جبکہ معاشرے میں عدل کا قیام فرد کے بغیر ناممکن ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔

" اسلام سے پہلے دنیا عدل کے ایک ہی تصور سے واقف تھی اور یہ وہ عدل تھا جو بادشاہ، حکمران اور بانیان ریاست اپنی رعایا کے درمیان کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے محض اس درجہ پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ جہاں حکمرانوں کو انصاف کا حکم دیا ہے، جہاں عدالتوں کو انصاف کرنے کی تلقین کی ہے، وہاں افراد کو بھی عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے عدل و انصاف کے جو تقاضے قاضی یا حکمران یا ریاست انجام دے گی، اس کی سطح اور ہو گی، جب افراد عدل و انصاف کا فریضہ انجام دیں گے تو ان کی سطح اور ہو گی۔"[2]

لہذا اسلام کا نظم عدل و انصاف نہ صرف انفرادی عدل کی یقین دہانی کراتا ہے بلکہ اجتماعی عدل کی بھی یقین دہانی کراتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل سے کام لیا جائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار نہیں ہوتی۔

(۴) تمام افراد میں برابری

کوئی بھی معاشرہ یا ریاست قرآنی اصولوں سے دستبردار ہو کر خوشحالی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ قرآنی تعلیمات کا ایک اہم پہلو عدل و انصاف ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ عدل ایک مومن کے مزاج و طبیعت میں اس قدر رچ بس جائے کہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی نہ کر سکے۔ کسی معاشرے کا پختہ بنیادوں پر قائم ہونا انہی دو چیزوں پر منحصر ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، ہر فرد کو اس کا پورا حق ملے اور قانون کے سامنے شاہ و گدا سب برابر ہوں۔ اگر ریاست میں کسی کی حق تلفی ہو اور ظالم پر قانون کا اطلاق نہ ہو تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ریاست میں تمام افراد کے درمیان عدل قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[3]

(اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دو اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

---

[1] مودودی، **تفہیمات**، ج3، ص144

[2] محمود احمد غازی، **محاضرات شریعت**، ص69

[3] المائدہ: 8

مولانا مودودی ریاست میں تمام افراد کے درمیان عدل قائم کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جس قاعدہ پر اس ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی یہ تھا کہ قرآن وسنت کا دیا ہوا قانون سب کیلئے یکساں ہے اور اس کو مملکت کے ادنی ترین آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے۔ کسی کیلئے بھی اس میں امتیازی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"[1]

بعض اوقات ایک مسلم ریاست میں مسلم کے ساتھ ہی ناانصافی ہوتی ہے اور ان کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ اس حوالے سے مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"تمام مسلمانوں کے حقوق بلا لحاظ رنگ ونسل و زبان و وطن بالکل برابر ہیں۔ کسی فرد، گروہ ، طبقے یا نسل و قوم کو اس ریاست کے حدود میں نہ امتیازی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور نہ کسی کی حیثیت کسی دوسرے کے مقابلے میں فروتر قرار پاسکتی ہے۔"[2]

اسلامی ریاست میں شہریوں کے مابین رنگ ونسل، قومیت اور علاقائیت کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک اپنایا جائے تو ریاست کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام کا شکار ہونے سے بچانے کیلئے ریاست میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے اجتناب کرنا ہوگا۔ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

"اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شریف ہو یا وضیع، امیر یا مامور، قانون کی نظر میں بالکل مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شخص اور ہر طبقہ بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہے۔ نہ مختلف طبقات کیلئے قانون کی نوعیت میں کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے نہ غربت و امارت یا اس قسم کی کسی اور وجہ کی بنا پر قانون کے اجرا و نفاذ میں کوئی فرق واضح ہوسکتا ہے۔"[3]

امین احسن اصلاحی بھی اپنی کتاب میں اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے ریاست میں تمام افراد میں مساوات اور عدل کو ناگزیر گردانتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

---

[1] مودودی، **خلافت وملوکیت**، ص63

[2] ایضا، ص65

[3] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص125

"جب کسی نظام کی بنیاد فی الواقع خدائے واحدہ لاشریک کی حاکمیت پر قائم کی جاتی ہے تو ہر گوشہ میں عدل اور مساوات کی نورانیت پھیل جاتی ہے اور وہ طبقہ جو زیر دستوں پر خدائی کرنے کا آرزو مند ہوتا ہے اس کے اندر مٹ جاتا ہے۔"[1]

اسلامی ریاست صرف مسلمانوں کو عدل وانصاف مہیا کرنے کی پابند نہیں ہے بلکہ اس میں موجود غیر مسلموں کو بھی مکمل طور پر عدل انصاف فراہم کیا جاتا ہے۔ اگر ان کی جان واموال کو کوئی نقصان پہنچے تو اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ انصاف مہیا کرے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"اسلامی حکومت کے تحت رہنے والی غیر مسلم رعایا کو مساوی قانونی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے مذہبی نمائندے اور عہدے دار وہ خود متعین کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہیں قابل احترام ہیں اور انہیں مکمل تحفظ حاصل ہے۔"[2]

ریاست کے تمام افراد میں برابری کا نظریہ ہی ریاست کو عدم استحکام سے بچا سکتا ہے۔ اس لئے اسلام کا نظریہ عدل وانصاف ریاست کے تمام افراد میں برابری کا درس دیتا ہے تاکہ ریاست مستحکم رہے۔

(۵) جرائم وبغاوت کی روک تھام

اسلامی ریاست میں اگر کچھ شر پسند عناصر جرائم وبغاوت کے مرتکب ہوں تو ریاست عدم کا استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ریاست کا امن برباد ہو جاتا ہے۔ لہذا ریاست کے امن وامان کو بحال رکھنے اور اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ جرائم کے مرتکب افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لا کے سزائیں دی جائیں۔ لحاظ اسلام کا نظم عدل بلا کسی تفریق کے جرائم کی روک تھام کیلئے انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[3]

(اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دو اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص320

[2] طاہر القادری، **اسلامی ریاست میں غیر مسلم کے جان ومال کا تحفظ**، (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2010ء)، ص78

[3] المائدہ: 8

اسلام دراصل سراسر بذات خود عدل کا نام ہے۔اسلام میں عدل ہے کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ اسلام بذات خود ایک عدل ہے۔ مولانامودودی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو شخص "اسلام میں عدل ہے" کہتا ہے وہ حقیقت سے کمتر بات کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے۔ اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم ہو سکے۔ وہ شخص یہ بھی جان لے کہ عدل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے پاس نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔"[1]

اسلامی ریاست میں محض اسلامی قوانین کے تحت ہی عدل وانصاف قائم کیا جا سکتا ہے۔ کسی دوسرے نظام عدل کا اسلامی ریاست میں نافذ کرنے سے عدل قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نظام اسلامی ریاست کے مذہبی رجحانات سے موافقت نہیں رکھتا۔ اس لئے اسلامی ریاست میں اگر مغربی نظام عدل نافذ کیا جائے گا تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہوگی۔ سید محمد متین ہاشمی اس حوالے سے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"مسلم معاشرے میں جب تک اسلامی قوانین نافذ تھے، تب تک معاشرے میں قانون کے خلاف ورزی کم سے کم ہوتی تھی لیکن جیسے ہی اس معاشرے میں مغربی قوانین نافذ کیے گئے تو قانون کی خلاف ورزی بڑھتی چلی گئی۔ جس کا اندازہ ہم چودہ سو برس کی شرح جرائم اور سوڈیڑھ سو برس کی شرح جرائم سے باآسانی لگا سکتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر قانون کے پس پردہ تصور انسان کے علاوہ اس قانون کے تحت زندگی گزارنے والوں کا مذہبی شعور کارفرما ہوتا ہے کیونکہ ملک کی سب سے بڑی عدالت کے فیصلے کی بابت اگر کسی کم سے کم درجے کا تصور عصمت اور تصور طہارت نہ ہو تو قانون بہتر ثابت نہیں ہو سکتا اور ظاہر سی بات ہے کہ یہ تصور عصمت وطہارت مذہب سے میسر آ سکتا ہے۔ تو جب مغربی نظام عدل کو مسلم معاشرے میں نافذ کیا گیا تو چونکہ وہ نظام معاشرے کے مذہبی شعور اور رجحانات سے موافقت نہیں رکھتا تھا اسی لیے معاشرے کے باطن نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں ذہنی بغاوت پیدا ہوئی اور جرائم کا ارتکاب بڑھ گیا۔"[2]

لہذا عدل کی فراہمی سے معاشرے کو جرائم وفواحش سے پاک کرنے کیلئے حدود وتعزیرات کا مؤثر ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس سے ریاست میں جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا اور ریاست عدم استحکام کا شکار نہیں ہوگی۔ حدود اللہ کا قیام ہی ریاست کے استحکام کا ضامن ہے۔

---

[1] مودودی، **اسلام اور عدل اجتماعی**، ص 10

[2] مولانا سید محمد متین ہاشمی، **اسلامی نظام عدل کا نفاذ مشکلات اور ان کا حل**، (لاہور، مرکزی تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری)، ص 4

(٦) ریاست کا امن

اسلام کا نظم عدل ریاست میں موجود ہر فرد کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے۔ اگر ریاست کے کسی فرد کی جان و مال یا ناموس کو ٹھیس پہنچی تو اسلام کا نظم عدل اسے انصاف مہیا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلاَ تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ))[1]

(وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی پناہ ہے۔ پس تم اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی پناہ میں خیانت نہ کرو۔)

ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((فَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا))[2]

(بلاشبہ اللہ نے تم پر تمہارا (ایک دوسرے کا) خون، مال اور عزت اسی طرح حرام کیا ہے جیسے اس دن کو اس نے تمہارے اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں حرمت والا بنایا ہے۔)

لہذا اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست میں تمام افراد کے مال، جان اور ناموس کی تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہو تو نظم عدل اس کو انصاف مہیا کرے۔ اگر اسلامی ریاست میں کسی فرد کی جان و مال اور ناموس کا تحفظ نہ ہو تو ریاست میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ امین احسن اصلاحی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> "ایک شہری کا سب سے مقدم اور سب سے مقدس حق یہ ہے کہ اس کے جان و مال اور ناموس کی حفاظت کی ریاست کی طرف سے ضمانت دی جائے کہ ریاست نہ تو اس کی ان چیزوں پر خود ہاتھ اٹھائے گی اور نہ کسی کو اس پر ہاتھ ڈالنے دے گی۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری تنہا اپنی ضمانت پر نہیں اٹھاتی بلکہ اس کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کی ضمانت بھی شامل کرتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ریاست اس عہد کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی کرتی ہے تو گویا اس عہد کو توڑتی ہے جو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر باندھا ہے اور اس شخص کی جان و مال پر حملہ کرتی ہے جس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اس نے خدا کی طرف سے اٹھائی ہے۔"[3]

---

[1] بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب فضل استقبل القبلۃ، ح391

[2] بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب لایسخر قوم من قوم، ح6043

[3] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، (لاہور: دار التذکیر)، ص106

اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ نظم عدل وانصاف کے ذریعے ہر شہری کی جان ومال اور ناموس کی حفاظت کرے اور اگر ان کی جان ومال اور ناموس کو کوئی ٹھیس پہنچے تو انصاف کو یقینی بنائے۔

(۷) معاشی عدل

عدل کی مختلف اقسام اور نوعتیوں میں ایک نازک تر پہلو معاشی عدل کا ہے۔ آج پوری دنیا معاشی لوٹ کھسوٹ، سود، ذخیرہ اندوزی، نفع خوری اور اسراف وتبذیر کے شکنجوں میں جکڑی نظر آتی ہے۔ اسلام معاشی ظلم کی ہر شکل کو مٹانا چاہتا ہے اور معاشی لحاظ سے ایک عادلانہ معاشرے کا تمنائی ہے۔۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

(اور آپس میں ایک دوسرے کے اموال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے اُن کو اِس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔)

اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست میں معاشی عدل کے قیام کی تعلیمات دیتا ہے۔ دوسرے نظام کی طرح معاشی عدل کا نعرہ لگا کر لوگوں کا معاشی قتل نہیں کرنا چاہتا۔ معاشرے کے ہر فرد کو معاشی آزادی دینے کے ساتھ ساتھ اس پر معاشرے کے حقوق بھی نافذ کرتا ہے تاکہ ریاست معاشی ناانصافی کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار نہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پر معاشرے کی ذمہ داریاں عائد کر دی گئی ہیں جس سے معاشرے میں معاشی عدل برقرار رہتا ہے۔ مولانا مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> "اسلام میں اللہ تعالیٰ نے خود وہ حدود قائم کر دیے ہیں جن میں افراد کی آزادی کو محدود ہونا چاہیے۔ اس نے خود متعین کر دیا ہے کہ ایک فرد مسلم کیلئے کون کون سے افعال حرام ہیں جن سے ان کو بچنا چاہیے اور کیا کچھ اس پر فرض ہے جسے اس کو ادا کرنا چاہیے۔ کیا حقوق اس کے دوسروں پر ہیں اور کیا حقوق دوسروں کے اس پر ہیں۔ کن ذرائع سے ایک مال کی ملکیت کا اس کی طرف منتقل ہونا جائز ہے اور کون سے ذرائع ایسے ہیں جن سے حاصل ہونے والے مال کی ملکیت جائز نہیں ہے۔ افراد کی بھلائی کیلئے مجتمع پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور مجتمع کی بھلائی کیلئے افراد پر خاندانوں اور برادریوں پر اور پوری قوم پر کیا پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں اور خدمات لازم کی جاسکتی ہیں۔"[2]

---

[1] البقرہ:188

[2] مودودی، **تفہیمات**، ج3، ص148

لہذا اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست میں معاشی عدل کے قیام کے ان افعال سے منع کرتا ہے جو ریاست میں معاشی ناانصافی کو جنم دے کر ریاست کو عدم استحکام کا شکار کر دیتے ہیں۔ جن میں سود، ذخیرہ اندوزی، نفع خوری اور اسراف و تبذیری نمایاں ہیں۔ سود جو بظاہر لوگوں کی معاونت کے جذبہ کو ظاہر کرتا ہے مگر اس سے معاشی عدل قتل ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأۡكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضۡعَٰفٗا مُّضَٰعَفَةٗۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ﴾[1]

(اے ایمان والو! سود دوگنے پہ دوگنا نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔)

ایک مقام پر فرمایا۔

﴿وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُواْ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾[2]

(اور اس لئے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کئے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھاجاتے اور ان میں جو کافر ہوئے ہم نے ان کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

یہ سودی نظام وہ طریقہ ہے جو عدم مساوات پر قائم ہے۔ سودی لین دین کی وجہ سے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کی لت لگ جاتی ہے۔ انسانی زندگی کی کامیابی لاتعداد دولت حاصل کرنے میں نظر آنے لگتی ہے جسکے نتیجے میں ایسی ہی دوڑ کا آغاز ہو جاتا ہے جس میں ہر انسان تمام جائز و ناجائز طریقہ کار کا استعمال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں۔

"اسلام نے اپنے نظام معیشت میں سود کی جڑ کاٹ دی ہے۔ زنا، شراب غرض کسی بھی برائی کے بارے میں قرآن مجید نے اتنا سخت لہجہ اختیار نہیں کیا جتنا کے سود کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ اگر ہم سودی لین پر غور کریں تو اس میں انسانیت کے کام آنے کے جذبہ کم اور ذاتی منفعت کا خیال زیادہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سود لینا شقاوت قلبی، سنگدلی اور بے رحمی بھی ہے۔"[3]

[1] آل عمران:130

[2] النساء:161

[3] ڈاکٹر اسرار احمد، **اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل**، (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، 2003ء)، ص 53

لہذا اسلامی ریاست میں افراد کا فرض ہے کہ وہ ایسے افعال سے اجتناب کریں جس سے معاشرے میں لوگوں کا معاشی قتل ہو بلکہ جہاں اسلام نے فرد کو معاشی آزادی دی ہے تو وہاں اس پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں کہ وہ ریاست میں معاشی عدل قائم کرنے میں معاونت کرے۔ محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں۔

"اسلام اس امر کو گوارا نہیں کرتا کہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد فاقہ کشی، تنگدستی اور بے روزگاری میں مبتلا ہو اور حکومت یا معاشرہ اس کی امداد کا کوئی نظام نہ کرے۔ اسی لئے اسلام معاشی امور میں ہر شخص کو ضرورت معاش دلانے کا بندوبست کرتا ہے اور معذوروں، بیواؤں، یتیموں اور ناکارہ افراد کے معاشی حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔"[1]

لہذا اسلامی نظام معیشت ہی ہے جو معاشی برائیوں کو دور کر کے ریاست میں معاشی عدل کا قیام کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں۔

"ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم دور حاضر میں رائج کردہ معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالیں جو ہماری معاشی ضروریات کو پورا کر سکے اور ہمارے تمدن، ہماری اقدار حیات اور ہمارے نظریے زندگی کے مطابق ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ نیا نظام ہوگا؟ نہیں بلکہ ہماری یہ ضروریات صرف اسلامی نظام معیشت ہی پوری کر سکتا ہے۔"[2]

بالا تبصرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام معاشی نظام میں بھی عدل قائم کر کے ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔ دوسرے معاشی نظام ریاست میں معاشی عدل لانے سے قاصر ہیں۔ اس لئے اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے معاشی عدل کا ہونا ضروری ہے۔

(۸) رشوت خوری

اسلامی ریاست میں اگر عمال معاشی عدل کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ریاست کے خزانے لوٹنا شروع کر دیں تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ ریاست کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے۔ رشوت، کرپشن ایسی بیماریاں ہیں کہ یہ معاشرے کے ساتھ ساتھ ریاست کو بھی زوال کا شکار کر دیتی ہیں۔ رشوت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَعنَةُ اللَّهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرتَشِي فِي الحُكمِ))[3]

---

[1] محمد مظہر الدین صدیقی، **اسلام کا معاشی نظریہ**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1954ء)، ص 31

[2] محمد طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول**، (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، جون 1992ء)، ص 15-14

[3] ابن ماجہ، السنن، کتاب الأحکام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، ح2313

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عدل کے بارے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔)

ایک اور حدیث میں نہ صرف رشوت دینے والے کے ساتھ ساتھ رشوت کا معاملہ کرنے والے کو بھی اس جرم اور اس کی سزا میں برابر کا شریک قرار دیا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت ریاست کے نظام کو درہم برہم کرنے والی اس سازش کا ایک بڑا اہم عامل وہ بھی ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہ ﷺ الرَّاشِي وَالْمُرتَشِی وَالرائشی یعنی الَذی یَمشی بینَھُما))[1]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور رشوت لینے والے اور رشوت دلانے یعنی اس شخص پر جو بیچ میں دلالی کرتا ہے لعنت کی ہے۔)

اگر ریاست کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ آجائے تو ریاست عدم استحکام کے ساتھ ساتھ تباہی کا شکار ہو جاتی ہے۔امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

> "ہر نظام اجتماعی کی بقا اس بات پر منحصر ہے کہ اس کے اندر ایسے اہل بصیرت اور دانش موجود ہوں اور برابر موجود رہیں جو ان رخنوں کو بند کرتے ہیں جو اجتماعیت دشمن عناصر کی طرف سے پیدا کیے جاتے ہیں۔ رشوت اس بصیرت اور بصارت کو برباد کرنے والی دنیا میں ایک ہی چیز ہے۔ اس وجہ سے اگر کسی نظام کے اندر اس کا رواج زور پکڑ جائے تو اس کے اندر اول تو اہل بصیرت کا پیدا ہونا ہی مشکل ہے اور اگر اتفاق سے پیدا ہو جائیں تو اس رشوت کے سرمہ کے ذریعے سے ان کو بڑی آسانی سے اندھا کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سوسائٹی کے اندر رشوت کا لین دین عام ہو آہستہ آہستہ اس کی باگ اندھے راہ دکھانے والوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور جو نظام صرف اندھوں کی رہنمائی میں چل رہا ہو اس کا انجام معلوم ہو جاتا ہے۔ رشوت کی اس ہلاکت انگیزی کی وجہ سے اسلام نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے دونوں کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔"[2]

لہذا اس تصریح سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ رشوت جیسی بیماری کو ختم کر کے ریاست میں معاشی عدل کو یقینی بنایا جائے اور اسلامی ریاست کو مستحکم بنایا جائے۔

---

[1] ابوداؤد،السنن، کتاب الأقضية، باب في كراهية الرشوة، ح3580

[2] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص329

(۹) اقربانوازی

کسی بھی ریاست میں جب امراء اقرباءپروری پر اتر آتے ہیں اور اپنے عزیزوں کو ریاست کے خزانے سے نوازتے ہیں یا ریاست کے محکموں میں اپنے اقربا کو تعین کرتے ہیں تو اس سے اہل لوگوں کا معاشی قتل ہوتا ہے۔اسلامی نظم عدل وانصاف اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس سے ریاست کا نظام ان کے ہاتھوں چلا جاتا ہے جو اس کو چلانے کے اہل نہیں ہوتے اور اس سے وہ ریاست کی معیشت پر بوجھ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے اقرباپروری کے کلچر کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔امین احسن اصلاحی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اسلامی ریاست کے کارکنوں کو جن باتوں سے احتراز کرنا چاہیے ان میں سب سے مقدم ریاست کے خرچ پر اقربانوازی ہے۔اقربانوازی اور صلہ رحمی بنیادی نیکیوں میں شامل ہے بلکہ اسلام میں توحید کے بعد سب سے بڑی نیکی یہی ہے۔ لیکن اس سے بڑی کوئی برائی بھی نہیں ہے اگر اس کو ریاست کے خرچ پر انجام دینے کی کوشش کی جائے۔"[1]

لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے ریاست میں معاشی مساوات اور عدل کا قیام ضروری ہے۔ تمام افراد کو ریاست کے خزانے سے برابر حصہ دیا جائے اور ریاست کے محکموں میں اہل لوگوں کو تعنیات کیا جائے ناکہ اقرباپروری کے ذریعے نااہل لوگوں کو تعینات کیا جائے جو ریاست کی معیشت پر بوجھ بن جائیں اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جائے۔

(۱۰) سیاسی عدل

اسلامی ریاست میں ظلم وزیادتی کی فضاء اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کا سیاسی نظام غیر عادلانہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں ریاست میں وہ عناصر جو عدل وانصاف کے حامی نہیں ہوتے وہ حقوق ادا کرنے کے بجائے چھیننے لگتے ہیں۔اس سے لوگ غیر یقینی حالت اور عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے ہیں اور امن وامان کی زندگی گزارنے سے محرم ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ریاست کی بنیاد رکھی اس میں سیاسی عدل وانصاف کو یقینی بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیاسی مخالفین کے ساتھ بھی عدل سے کام لیتے انہیں سیاسی حقوق دیتے اور ان سے کئے ہوئے معاہدات کی پاسداری کرتے۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں سیاسی مخالفین کو حقوق مہیا کرنا اسلام کے نظم عدل انصاف کا تقاضا ہے۔ اگر سیاسی مخالفین کو حقوق سے محروم رکھا جائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ امین احسن ااصلاحی اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب خوارج کا ظہور ہوا، جو سرے سے ریاست ہی کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، تو آپ نے انہیں لکھا کہ تم جہاں چاہو رہو ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خون نہ بہاؤ اور بدامنی نہ پھیلاؤ اور کسی پر ظلم نہ کرو۔ اگر ان کاموں

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص 323

میں سے کوئی کام تم نے کیا تو میں تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔یعنی خیالات تم جو چاہو رکھو ۔تمہارے خیال اورنیت پر گرفت نہ کی جائے گی۔البتہ اگر تم اپنے خیالات کے مطابق حکومت کا تختہ زبردستی الٹ دینے کی کوشش کروگے تو یقیناً تمہارے خلاف کروائی ہوگی۔اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تصور عدل کسی حال میں بھی انتظامیہ کو یہ اختیار دینے کا روادار نہیں کہ وہ معروف عدالتی کاروائی کے بغیر یوں ہی جس کو چاہیں پکڑیں، جسے چاہیں قید کریں، جسے چاہیں خارج البلد کردیں، جس کی چاہیں زبان بند کریں اور جسے چاہیں اظہار رائے کے وسائل سے محروم کردیں۔اس طرح کے اختیارات جو ریاست اپنی انتظامیہ کو دیتی ہو وہ اسلامی ریاست ہر گز نہیں ہوسکتی۔"[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ سیاسی طور پر بھی عدل وانصاف کو یقینی بنایا جائے۔سیاسی مخالفین کو بلاوجہ بغیر تحقیق کے قید نہ کیا جائے۔سیاسی مخالفین سے آزادی اظہار رائے کا حق نہ چھینا جائے۔منتخب مسلم مفکرین اسلامی ریاست میں نظم عدل وانصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے قانون کی بالاتری کی آراء رکھتے ہیں۔ریاست کو کوئی باشندہ خواہ وہ امیر ہو یا غریب قانون سے بالاتر نہیں ہوگا۔تمام منتخب مفکرین ریاست کے تمام باشندوں کو انصاف مہیاء کرنے کی کی آراء رکھتے ہیں مگر امین احسن دیگر مفکرین کی نسبت اس حوالے سے منفرد رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں وکلاء کی بھاری فیسوں کے نظام کو ختم کیا جائے تاکہ ریاست کا ہر باشندہ انصاف تک رسائی حاصل کرسکے۔وکلاء کی بھاری فیسوں سے انصاف امراء تک محدود رہتا ہے۔منتخب مسلم مفکرین کی یہ آراء ہیں کہ اسلامی ریاست تمام باشندوں کو بلاامتیاز رنگ ونسل ومذہب انصاف مہیا کرے گی۔اگر انصاف کی فراہمی کے وقت رنگ ونسل اور مذہب کی تفریق کی گئی تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہوجائے گی۔ریاست میں جرائم کی روک تھام کیلئے ضروری ہے کہ مجرم کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔اس لئے منتخب مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اسلامی قوانین لاگو کرنے سے جرائم کا خاتمہ ہوجائے گا۔مسلم مفکرین عدل وانصاف کو صرف معاشرتی لحاظ سے نہیں دیکھتے بلکہ آپ ریاست میں معاشی عدل قائم کرنے کی بھی آراء پیش کرتے ہیں۔ریاست میں کسی مخصوص طبقہ کو تمام رعایا کے اموال پر ناجائز قبضہ یا ناجائز کھانے کی نفی کرتے ہیں۔سود کے ذریعے ناجائز نفع خوری کی مخالفت کرتے ہیں۔مسلم مفکرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اقربا پروری کا خاتمہ کیا جائے۔کیونکہ جب حکمران اپنے قریبوں لوگوں کو معاشی فائدہ دیں گے تو ریاست میں معاشی ناانصافی ہوگی جس کے نتائج ریاست کا غیر مستحکم ہونا ہے۔منتخب مسلم مفکرین میں سے امین احسن اصلاحی منفرد مفکر ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ ریاست میں سیاسی ناانصافی سے پرہیز کیا جائے۔بعض حکمران سیاسی دشمنی کی بنیاد پر مخالف پارٹی کے لوگوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک رکھتے ہیں اور انہین انصاف سے محروم رکھتے ہیں۔اور حکومتی پارٹی تمام حقوق اپنی پارٹی کے لوگوں کے لئے خاص کرلیتی ہے۔لہذا اسلامی ریاست کے عدم استحکام سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ ریاست میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل وانصاف قائم کیا جائے۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص413

فصل سوم: نظم دفاع

فصل سوم

نظام دفاع

دین اسلام ایک کامل ضابطہ حیات ہے۔اس کی کاملیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کو جس شعبہ میں رہنمائی درکار ہوئی ہے تو دین اسلام نے اس کی دستگیری کی ہے۔ معاملات ہوں یا معاشرت، معیشت ہو یا عبادات، سیاست ہو یا اخلاقیات، امن یا جنگ غرض ہر پہلو میں اسلام نے انسان کی رہنمائی کی ہے۔ان مختلف شعبوں میں دفاع کا نظام بھی ہے۔ دفاع کی اہمیت عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے۔ اسلام نے گھر سے لیکر ریاست تک اپنی حفاظت کرنے اور سیکورٹی سسٹم بنانے کا حکم دیا ہے۔ قرآن و سنت نے دفاعی نظام کے جو اصول و قوانین وضع کئے اور تصورات پیش کئے، نیز بیسویں صدی کے مسلم مفکرین نے ان اصولوں کی روشنی میں ریاست کے استحکام کیلیئے جو ان کی تطبیقات پیش کی ہیں عہد حاضر میں ریاست کے استحکام کیلیئے ان کی بہت اہمیت ہے۔ ذیل میں ہم اسلام کے نظام دفاع و تصور جہاد کو مسلم مفکرین کی آراء میں جائزہ لیں گے کہ کس طرح یہ ریاست کے استحکام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(۱) بیرونی خطرات سے بچاؤ اور دشمن پر دھاک بٹھانا

اسلامی ریاست کے استحکام کیلیئے ضروری ہے کہ بیرونی خطرات سے بچاؤ کیلیئے اقدامات کرے۔ اسلام کا دفاعی نظام ریاست کے استحکام کو قائم رکھنے کیلیئے بیرونی خطرات سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ملک و ملت کا دفاع کرنے اور سیکورٹی نظام مضبوط بنانے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ﴾[1]

(اور ان سے لڑنے کے لیے جو کچھ قوت سے اور صحت مند گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر رعب پڑے)

اس آیت میں مسلمانوں کو بیرونی خطرات سے نمٹنے اور دشمن پر اپنی دھاک بٹھانے کیلیئے دفاعی نظام کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ ریاست کے استحکام کیلیئے نہایت ہیں ضروری ہے۔ مولانا ادریس کاندھلوی اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ،

> "اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو یہ حکم دینا ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلے کیلیئے سامان جنگ تیار کرو۔ جس قدر طاقت تم فراہم کر سکتے ہو اس میں کسر نہ چھوڑو۔ ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں سامان

---

[1] الانفال:60

جنگ بدلتا رہتا ہے۔ پہلے زمانے میں تیر و تلوار تھے اور اس زمانے میں توپ و بندوق اور ایٹم و میزائل ہیں۔ یہ سب سامان جہاد ہے اور اس طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلات حرب و ضرب تیار ہونگے وہ سب اس آیت کے عموم و مفہوم میں داخل ہونگے اور عین منشاء قرآنی ہونگے۔ لہذا اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانے کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لئے آیت میں قیامت تک کیلئے ہر زمان و مکان کے مناسب قوت وطاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا تاکہ کفر و شرک کا مقابلہ کر سکیں۔"[1]

لیکن ڈاکٹر حمید اللہ اس کے برعکس یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ریاست کا بیرونی خطرات سے دفاع کرتے وقت دشمن سے پہلی ہی صورت میں جنگ نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے سرنڈر کرنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے جنگ کرنی چاہیے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو نیست و نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا۔"[2]

قریش اسلامی ریاست کے مخالف تھے اور پے در پے حملہ کر کے اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی کوشش کرنے میں تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے ان کو بالکل نیست و نابود کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان پہ اپنی دھاک بٹھائے رکھی۔ جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام امن کا داعی ہے۔ ریاست کے دفاع میں اول کوشش یہ ہوتی ہے کہ دشمن پہ دھاک بٹھا کے اسے سرنڈر کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اگر باز نہ ئے تو ریاست کا دفاع کرتے ہوئے اسے ختم کر دینا چاہیے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں، بلکہ محفوظ رکھ کر بے بس اور مغلوب کر دینے پر مشتمل تھی۔"[3]

ڈاکٹر محمود احمد غازی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ دشمن کو نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ اس کی قوت توڑ دی جائے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جنگوں سے جو سبق ملتا ہے کہ اور مختلف ہدایات جو آپ نے وقتاً فوقتاً دی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب جنگ کی نوبت آجائے تو اس کا ہدف زیادہ سے زیادہ دشمن کا قتل عام نہ ہونا چاہیے بلکہ ہدف یہ ہونا چاہیے کہ کم سے کم خون بہایا

---

[1] ادریس کاندھلوی، **تفسیر معارف القرآن**، (سندھ: مکتبہ المعارف شہدادپور، 1422ء)، ج3، ص: 351

[2] حمید اللہ، **خطبات بہاولپور**، ص210

[3] غازی، محمود احمد، **خطبات بہاولپور**، ص329

جائے اور کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ دشمن کی قوت کو توڑ دیا جائے تاکہ جو قوتیں اسلام کے خلاف کھڑی ہیں وہ اسلام کے مقابلے کیلئے آئندہ پھر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہیں اور اسلام کے راستے میں آگے چل کر پھر کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں۔"[1]

لہذا اسلام کا نظم دفاع ریاست کو آنے والے بیرونی خطرات سے محفوظ کرتا ہے۔ اور ریاست بیرونی خطرات کیلئے خود کو ہمہ وقت تیار نہ رکھے تو اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ مگر اسلامی نظریہ دفاع ریاست کو بیرونی خطرات سے بچا کر اس کے نہ صرف مستحکم رکھتا ہے بلکہ اس کے وجود کو مٹنے بھی نہیں دیتا۔

(۲) داخلی شر پسند عناصر کا قلع قمع کرنا

جب داخلی شر پسند عناصر ریاست کے باشندوں کو ضرر پہنچاتے ہیں تو اسلامی ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اکثر شر پسند عناصر اسلامی ریاست میں انتشار پھیلانے کیلئے اس کی رعایا کا جانی و مالی نقصان کرتی ہے۔ اس صورت میں اسلام کا نظم دفاع اسلامی ریاست کے استحکام کو قائم رکھنے کیلئے دفاع کا حکم دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[2]

(اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھ جاؤ کیوں کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ان کو مارو جہاں پاؤ، اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔)

لہذا اس آیت سے یہ حکم نکلتا ہے کہ اسلامی ریاست میں اگر بیرونی یا اندرونی شر پسند عناصر ریاست کو عدم استحکام کا شکار کریں تو ان سے دفاعی جہاد کرنا چاہیے اور ریاست استحکام کو بحال کر کے امن قائم رکھنا چاہیے۔ مولانا مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم و ستم کیا جائے تو انکے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھینیں، ان کے حقوق سلب کریں اور انہیں ملکیتوں سے بے دخل کریں ان کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہیے۔

ریاست میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو بظاہر ریاست کی اطاعت کرتے ہیں مگر باطن میں اسلامی ریاست کو نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُواْ مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ﴾[1]

---

[1] غازی، محمود احمد، خطبات بہاولپور، ص331

[2] البقرہ:191-190

(اور کہتے ہیں کہ قبول کیا پھر جب تیرے ہاں سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورہ کرتا ہے، اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں۔)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ریاست میں کچھ ایسے شر پسند عناصر رہتے ہیں جو ظاہر ریاست کی اتباع کرتے ہیں مگر ان کی حرکات یہ ہوتی ہیں کہ ہر وقت مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔ طرح طرح سے انہیں نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ یہ گروہ اسلامی ریاست میں فساد پھیلاتا ہے، قتل غارت کا بازار گرم کرتا ہے اور امن وامان میں خلل برپا کرتا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[2]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔)

مولانا مودودی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ کے الفاظ سے جہلاء کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی باقاعدہ لڑائی ہو۔ لیکن دراصل خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاربہ کرنے سے مراد 'سعی فساد فی الارض' ہے جس کا ذکر تشریح کے طور پر اس فقرے کے بعد ہی کیا گیا ہے۔ یہ آیت جس موقع پر اتری تھی اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم فسادیوں اور امن وآئین کے خلاف مسلح بغاوت کرنے والوں کے لئے ہے۔"[3]

مفکرین کی بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا نظریہ دفاع اسلامی ریاست کو نہ صرف بیرونی بلکہ اندرونی شر پسند عناصر سے بچاتا ہے اور اس کے استحکام کو ہمیشہ قائم رکھتا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قیام اور استحکام کیلئے اندرونی شر پسند عناصر کا قلع قمع کرے۔

---

[1] النساء:81

[2] المائدہ:34-33

[3] مودودی، **الجہاد فی الاسلام**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2014ء)، ص57

(۳) بغاوت کو کچلنا

ریاست میں منظم زندگی گزارنے کیلئے اصول وضوابط قائم کئے جاتے ہیں اسے قانون کا نام دیا جاتا ہے۔ ریاست میں یہ قوانین ریاستی تقاضوں کو مد نظر رکھ کر بنائے جاتے ہے اور ان قوانین کے نفاذ کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اگر کچھ عناصر بغاوت کر کے ریاست یا اس کے قوانین کو للکارتے ہیں تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ لہذا اسلام کا نظم دفاع ریاست کو اندرونی بغاوت کے ذریعے عدم استحکام سے بچانے کی تعلیمات مہیا کرتا ہے۔

﴿الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾[1]

(جن سے تو نے معاہدہ کیا تھا مگر وہ بار بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور بدعہدی سے پرہیز نہیں کرتے۔ پس اگر تو ان کو جنگ میں پالے تو انہیں سخت سزا دے کر ان لوگوں کو خوفزدہ وپراگندہ کردے جو ان کے پیچھے ہیں۔ شاید کہ وہ کچھ سبق حاصل کریں۔ اور اگر تجھے کسی قوم سے دغا کا خوف ہو تو برابری کو ملحوظ رکھ کر علی الاعلان ان کا عہد ان کی طرف پھینک دے۔ اللہ یقیناً دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا)

لہذا اس آیت میں واضح فرمایا گیا کہ جو ریاست میں دغا بازی کریں یا بغاوت کریں ان کو سخت سزا دیں۔ تاکہ ریاست کا امن برقرار رہے اور ریاست عدم استحکام سے محفوظ رہے۔ مولانا مودودی اس آیت کے زمرے میں لکھتے ہیں۔

"جو لوگ مسلمانوں سے عہد کر کے توڑ دیں ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہیے۔ اس حکم میں وہ کفار بھی آجاتے ہیں جو مسلمانوں سے اطاعت کا معاہدہ کر کے پھر حکومت اسلامیہ سے بغاوت کریں۔ جن سے معاہدہ تو ہو مگر ان کا رویہ ایسا مخالفانہ و معاندانہ ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر وقت ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ لگا رہے تو انہیں علی الاعلان فسخ معاہدہ کا نوٹس دے دینا چاہیے اور اس کے بعد ان کی دشمنی کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ جو لوگ بار بار بدعہدی دغا بازی کریں اور جن کے عہد واقرار کا کوئی اعتبار نہ رہے اور جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں اخلاق و انسانیت کے کسی آئین کا لحاظ نہ رکھیں، ان سے دائمی جنگ کا حکم ہے۔"[2]

اسلامی ریاست میں قوانین وآئین کی پاسداری لازم ہے۔ کیونکہ یہی قوانین اور آئین ریاست کا اندرونی دفاع کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔

---

[1] الانفال: 58-56

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، **الجہاد فی الاسلام**، ص66

"ہر قانون میں ریاست پہلے وجود میں آتی ہے اور ریاست کو چلانے اس میں نظم وضبط قائم کرنے اور اس کے اندرونی اور بیرونی معاملات کو منظم کرنے کیلئے قانون کی ضرورت بعد میں پیش آتی ہے۔ ہر جگہ ریاست پہلے وجود میں آتی ہے اور قانون بعد میں سامنے آتا ہے۔ ریاست مقصود سمجھی جاتی ہے اور قانون اس مقصد کی تکمیل کا ایک حصہ وسیلہ اور ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے نظام میں یہ معاملہ مختلف ہے یہاں ریاست فی نفسہ مقصود بالذات نہیں ہے۔ ریاست ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے قانون الٰہی کو نافذ کرنے کا۔ قانون الٰہی فی نفسہ بالذات ہے۔"[1]

لہذا اسلام کا نظم دفاع ریاست میں موجود بغاوت اور دغابازی کو ختم کرکے ریاست کو مستحکم کرتا ہے۔ اگر ریاست میں موجود بغاوت کو بروقت ختم نہ کیا جائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس سے ریاست کے وجود کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسلام کا نظم دفاع ریاست کے استحکام کیلئے بغاوت کا کچلنے کی تعلیمات دیتا ہے۔

(۴) راہ حق کی حفاظت

اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے جس کا مقصد حق کا بول بالا کرنا اور بندگان خدا کو راہ حق کی طرف لانا ہے۔ لیکن اس راستے کے مخالف نہ صرف لوگوں کو مختلف طریقوں سے اس راستے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس نظریہ کی بنیاد ہی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مالی، علمی اور حربی لحاظ سے لوگوں کو راہ حق سے دور کرتا ہے۔ جس سے ریاست میں عدم استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام کا نظریہ دفاع راہ حق کی حفاظت کرنے کی تعلیمات دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾[2]

(جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اس لئے صرف کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں، اور وہ اس مقصد کیلئے مال صرف کیے جائیں گے یہاں تک کہ ان کو پچھتانا پڑے گا اور وہ مغلوب کیے جائیں گے۔)

اسی طرح تاریخ اسلام میں اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ کا حق کا دفاع کرنے نکلے جس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے حق کو حق اور باطل کو باطل کرکے دکھانے کیلئے خاص اپنی فوج بھیجی تھی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے۔

﴿وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاء النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ﴾[3]

(اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے تفاخر کے طور پر دنیا کو دکھانے کیلئے لڑنے کو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں۔)

---

[1] غازی، محمود احمد، **خطبات بہاولپور**، ص321

[2] الانفال:36

[3] ایضا:47

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔

﴿اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلاً فَصَدُّواْ عَن سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاء مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾[1]

(ان لوگوں نے آیاتِ الٰہی کا سودا بڑی ہی کم قیمت پر کیا اور وہ اس راہ سے روکنے لگے۔ یہ بہت برا کام کرتے ہیں جو وہ کرتے ہیں)

بالا آیات میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر مسلمانوں کو راہ حق سے روکا جائے تو اس کے خلاف جنگ ضروری ہے۔ اللہ کی راہ سے مراد وہی دین حق ہے جس کو قرآن مجید میں صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ اسی دین حق کی بنیاد پر اسلامی ریاست کا قیام ہوتا ہے۔ اگر راہ حق کو اندرونی یا بیرونی خطرات لاحق ہوں جس سے ریاست میں انتشار پھیلے اور عدم استحکام کا شکار ہو تو اسلام کا نظریہ دفاع ریاست کو عدم استحکام سے شکار ہونے سے بچاتا ہے۔ مولانا مودودی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "اسلام کو جب راستہ کہا گیا ہے تو ضرور اس کو روکنے کی بھی وہی صورت ہو گی جو ایک راہ گزر سے روکنے کی ہوتی ہے۔ کسی راستے کو روکنے کی قدرتاً تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ دوسرے راستے پر چل رہے ہوں ان راستے پر نہ آنے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو اس راستے پر چل رہے ہوں انہیں اس سے زبردستی ہٹا دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اس پر چلنے والوں کے راستہ میں کانٹے بچھا دیے جائیں۔ ان کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جائے اور انہیں اس طرح دق کیا جائے کہ وہ چلنے سے عاجز آ جائیں۔"[2]

لہذا ریاست جس نظریہ پر قائم ہے اس نظریہ کی حفاظت ہی ریاست کے استحکام کی ضمانت ہے۔ اگر اس نظریہ کی حفاظت نہ کی جائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اگر ریاست میں موجود کچھ شر پسند عناصر یا بیرونی طاقتیں ریاست کے نظریہ کو ٹھیس پہنچائیں تو اسلام کا نظم دفاع ان رکاوٹوں کو ہٹانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ اسلامی ریاست اور اس کا نظریہ مستحکم رہے۔

(۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلام کے نظریہ دفاع و جہاد میں محض تلوار کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ جہاد باللسان کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ریاست میں نیکی کا امر دینا اور برائی سے روکنے کیلئے جہاد باللسان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر کچھ عناصر ریاست میں برائی کی تشہیر کر رہے ہیں جس سے ریاست کا معاشرتی نظام بگڑ رہا ہے تو اسلامی ریاست کے باشندوں پر فرض ہے کہ جہاد باللسان کو اپناتے ہوئے معروف کا امر دیں اور منکر روکیں اور ریاست کو عدم استحکام سے بچائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[3]

---

[1] التوبہ:9

[2] مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص 63

[3] آل عمران:110

(تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔)

مولانا مودودی جہاد باللسان کے ذریعے ریاست میں برائی کو روکنے کیلئے ریاست کو عدم استحکام سے بچانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بھلائی کی حمایت اور کلمہ حق کے ذریعے ریاست سے برائی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

"ریاست کے قواعد میں آخری قاعدہ جو اس کو صحیح رستے پر قائم رکھنے کا ضامن تھا، یہ تھا کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کا نہ صرف یہ حق ہے بلکہ یہ اس کا فرض بھی ہے کلمہ حق کہے، نیکی اور بھلائی کی حمایت کرے اور معاشرے یا مملکت میں جہاں بھی غلط اور ناروا کام ہوتے نظر آئیں ان کو روکنے میں اپنی امکانی حد تک پوری کوشش صرف کردے"[1]

لہذا ریاست میں برائی کے خاتمے کیلئے جہاد باللسان ضروری ہے تاکہ ریاست سے برائی کا خاتمہ ہو اور ریاست عدم استحکام کا شکار نہ ہو۔

(۶) عصری علوم کا حصول

اسلامی نظام تعلیم طالب علم کو محض دینی علوم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ عصری علوم کو حاصل کرنے کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔اگر ریاست میں تعلیمی نظام کو محض دینی علوم تک محدود رکھا جائے تو ریاستی نظام تباہی کا شکار ہو جائیں گے۔یونکہ بہت سے ایسے علوم ہیں جن کا تعلق ریاستی اداروں اور معاشرتی خدمات کے ساتھ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھما مختلف زبانیں سیکھتے اور مختلف علوم بھی حاصل کرتے۔زمانہ رسالت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے دور خلافت اور اس کے بعد کے اسلامی حکومتوں کے ادوار میں بھی نہ صرف رعایا بلکہ حکمران طبقہ بھی مختلف علوم حاصل کرتے تھے۔اگر مسلمان جدید علوم کو سیکھنے سے منکر رہے تو اسلامی ریاست تعلیم اور ترقی کے لحاظ سے پسماندہ رہ جائے گی۔اسی موضوع پر ڈاکٹر محمود احمد غازی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہمارے ہاں ایک محدود مذہبی طبقے کے نزدیک انگریزی زبان اور جدید علوم سیکھنا حرام اور ناجائز ہے۔لیکن دوسری رائے کو پذیرائی حاصل ہوئی جو وقت کے تقاضا کے مطابق بہت اہم اور درست تھی کہ یونانی علوم سیکھ کر ہی جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ کون سی چیز ناقابل قبول ہے اور غلط ہے۔لہذا ان امور کو دلائل کے ترازو میں تولا جاسکتا ہے لیکن جدید علوم وفنون سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔"[2]

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص437

[2] محمود احمد غازی، **دینی مدارس: مفروضے حقائق، لائحہ عمل**، ص73

محض دینی علوم پڑھنے سے عالم جدید مسائل کا سمجھ نہیں سکتا اور نہ ہی ان کا حل پیش کر سکتا ہے۔اس لئے اسلامی نظم تعلیم میں دینی علوم پڑھنے کے ساتھ موجودہ علوم پڑھنے کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک طبقہ صرف عصری علوم حاصل کرتا ہے اور دینی علوم سے ناواقف ہے اس لئے وہ اسلام کے مطابق مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ مولانا مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"ہمارے ہاں تعلیم ایک کافی مدت سے بڑی ناقص ہو رہی ہے۔ جو لوگ ہمارے ہاں دینی علوم پڑھتے ہیں وہ موجودہ زمانے کے علم السیاست اور اس کے مسائل اور دستوری قانون اور اس سے تعلق رکھنے والے معاملات سے بیگانہ ہیں۔اس لئے وہ قرآن وحدیث اور فقہ کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے میں تو عمریں گزار دیتے ہیں مگر ان کے لئے اس وقت کی سیاسی و دستوری مسائل کو آج کل کی زبان اور اصطلاحوں میں سمجھنا اور پھر ان کے بارے میں اسلام کے کیا احکام اور اصول ہیں اور کہاں کہاں بیان ہوئے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عملاً ہمارے تمدن و سیاست اور قانون وعدالت کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ زندگی کے جدید مسائل سے تو واقف ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کا دین ان مسائل کے بارے میں کیا رہنمائی دیتا ہے۔ وہ دستور اور سیاست اور قانون کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں مغربی تعلیمات اور مغرب کے عملی نمونوں ہی کے ذریعے جانتے ہیں۔ قرآن وسنت اور اسلامی روایات کے بارے میں ان کے معلومات بہت محدود ہیں۔"[1]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا نظام تعلیم صرف دینی تعلیم تک محدود نہیں بلکہ جدید عصری علوم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور مسلمان علماء نے کئی نئے علوم بھی دریافت کئے۔ قرون اول میں عباسی اور اندلس کے اموی عہد کے مسلمان حکماء ، فلاسفہ اور فقہاء نے علوم کے مختلف شعبوں میں گراں قدر اضافے کئے۔

(۷) فتنہ وفساد کا خاتمہ

اسلام کا نظم دفاع ریاست میں موجود فتنہ وفساد پھیلانے والے عناصر کا قلع قمع کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن پاک میں فتنہ کو قتل وغارت سے بھی خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[2]

اور فتنہ قتل سے سخت ہے

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص314

[2] البقرہ:191

لہذا اسلامی ریاست میں فتنہ و فساد کو ختم کرنے اور امن قائم کرنے کیلئے تلوار اٹھانا جائز ہے۔ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔

> "جہاد تین مقاصد کے حصول کے لئے ہے۔اول، مسلمان اور ان کے ہم وطن لوگ امن سے رہ سکیں، دوم، مسلمانوں کے دینی مقاصد پورے ہو رہے ہوں اور سوم یہ کہ ان کے دنیوی مصالح کی تکمیل ہو رہی ہو۔اگر یہ تینوں مقاصد جنگ کی نوبت آئے بغیر ہی پورے ہو جائیں تو جنگ کرنا ناجائز ہے۔اور اگر کسی وجہ سے ان تینوں میں سے کسی مقصد میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہو تو اس رکاوٹ کو دور کرنا اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔پرامن طریقے سے دور ہو پرامن طریقے سے دور کریں اور اگر پرامن ذرائع ناکام ہو جائیں تو تلوار اٹھائیں۔"[1]

ڈاکٹر طاہر القادری اپنی کتاب الجہاد الاکبر میں بھی اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے فتنہ و فساد کو ختم کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام میں فتنہ اور اس جیسی دوسری بیماریوں کو ختم کرنے کیلئے ان کے خلاف قدم اٹھانا جائز ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

> "اسلامی ریاست پرامن شہریوں کے جان،مال اور عزت و آبرو کی بھی محافظ ہے۔فتنہ وفساد ،سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خاتمہ ،سرکشی وبغاوت کی سرکوبی، ظلم و بربریت،درندگی، ناانصافی، ناحق انسانی خون ریزی، قتل وغارت گری اور دہشت گردی کے خلاف راست اقدام کرنا انسانی حقوق چارٹر مطابق نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے کہ تاکہ اللہ کی زمین ہر قسم کے فتنہ وفساد سے پاک ہو۔امن بحال ہو اور قیام عدل کیلئے راہ ہموار ہو جائے۔معاشرے کو امن وآشتی کا گہوارہ بنانے کیلئے جہاد یعنی قیام امن اور اقامت حق کیلئے جہدِ مسلسل اور عمل پیہم بجالانا ہر مومن پر فرض ہے۔"[2]

نہ صرف اسلام کا نظم دفاع بلکہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات بھی اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ اگر قوت کا استعمال قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ریاست اور اس کے باشندوں کی فلاح کیلئے کیا جائے تو معیوب نہیں۔ڈاکٹر محمود ایک مقام پہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "عمل کی دنیا میں یہ اقوام خود بھی جنگ کے اسلامی تصور پر عمل پیرا ہیں اور عملاً یہی سمجھتی ہیں کہ قوت کا استعمال اگر قانون واخلاق کی طے کردہ حدود وقیود کے ساتھ ہو تو یہ فی نفسہ بری چیز نہیں

---

[1] غازی، محمود احمد، **خطبات بہاولپور**، ص331

[2] طاہر القادری، **الجہاد الاکبر**، (لاہور: منہاج القرآن، 2015ء)، ص24

ہے۔ لیکن اگر اس کا استعمال کسی قسم کے اخلاقی ضابطوں سے ماورا اور قانون کے اصولوں سے متجاوز ہو تو پھر واقعتاً وہ قابل نفرت چیز ہے۔"[1]

لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے جہاد باللسان کے ذریعے ان ریاست میں موجود فتنوں اور افراتفری کو ختم کرنا چاہیے ورنہ ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی۔ ڈاکٹر محمود مزید اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ریاست جو دراصل قوت نافذہ ہے اور اسلام کے پیغام اور نظریے کی نشر واشاعت اس کی ذمہ داری ہے اس کا کام یہ ہے کہ ان کوششوں کو ناکام بنائے، اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتوں کو روکے اور افراتفری اور فتنے کو مٹائے۔ ریاست کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اس پیغام کا تحفظ کرے جس کی بنیاد پر وہ وجود میں آئی ہے۔" [2]

بالا تبصرے سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر ریاست میں موجود فتنہ کو ختم نہ کیا جائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسلام کا نظم دفاع اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ریاست کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ فتنہ کا خاتمہ کیا جائے۔

(۸) اقلیتوں کا دفاع

اسلامی ریاست میں اقلیت بھی ریاست کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔ اسلام نے ذمیوں کو بہت اہمیت دی ہے۔ ان کے جان ومال اور ناموس کی حفاظت کے لئے سخت وعید سنائی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضِيَ اللهُ عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا. رواه الْبُخَارِيُّ وابن ماجه والْبَزَّار))[3]

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی معاہد (جن غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو) کو (بغیر کسی جرم کے) قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک محسوس ہوتی ہے۔)

ایک اور حدیث پاک میں جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

---

[1] غازی، محمود احمد، **خطبات بہاولپور**، ص319

[2] ایضاً، ص320

[3] بخاری، الصحیح، کتاب الجزیة، باب إثم من قتل معاهدًا بغیر جرم، ح2995

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَلَا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللهِ، فَلَا يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا.))[1]

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! جو کسی معاہد (ذمی) کو قتل کرے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ ہو، تو اُس نے اللہ تعالیٰ کا ذمہ توڑ دیا، وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے آتی ہو گی۔)

بعض اوقات کچھ شر پسند عناصر اقلیتوں پر ظلم و زیادتی کر کے ریاست میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں اسلام کا نظم دفاع یہ تعلیمات دیتا ہے کہ نہ صرف مظوم مسلمانوں کی مدد کی جائے بلکہ مظلوم اقلیتوں کا بھی دفاع کیا جائے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کرے گا تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمہ کو قتل کیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔"[2]

اسی طرح اسلام کا نظم عدل و انصاف اقلیتوں کے مال کے دفاع کی بھی یقین دہانی کراتا ہے۔ مولانا مودودی مزید لکھتے ہیں۔

"دیوانی قانون بھی ذمی اور مسلمان کیلئے یکساں ہے اور دونوں کے درمیان کامل مساوات ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد اموالھم کاموالنا کے معنی یہی ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت کی جائے گی جیسی مسلمان کے مال کی ہوتی ہے۔"[3]

اقلیتوں کی مذہبی آزادی اور مذہبی عبادت گاہوں کے حوالوں سے مولانا مودودی یہ رائے رکھتے ہیں کہ ذمیوں کے مذہبی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی مرمت بھی کی جائے گی۔ نئے مذہبی عبادت خانے امصار مسلمین میں بنانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ آپ لکھتے ہیں۔

"ذمیوں کو صرف امصار مسلمین میں نئے معابد بنانے سے روکا گیا ہے۔ البتہ اگر ان کے پرانے معبد وہاں موجود ہوں تو ان کی حفاظت اور مرمت کر سکتے ہیں۔ امصار مسلمین سے مراد وہ شہر ہیں جو مسلمانوں نے خاص اپنے لئے آباد کئے ہوں جیسے کوفہ، بصرہ اور فسطاط۔ باقی رہے ملک

---

[1] ترمذی، السنن، كتاب الديات، باب ما جاء فيمن يقتل نفسا معاهدة، ح1403

[2] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص604

[3] ایضاً، ص606

کے دوسرے شہر اور قصبے اور دیہات، توان کو وہاں نئے معابد تعمیر کرنے اور پرانے معابد کی مرمت کرنے پوری آزادی ہوگی۔"[1]

لہذا ایک اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ اس میں موجود اقلیتوں کی جان، مال اور عزت کا بھی دفاع کیا جائے۔ اگر ان کے حقوق کی خلاف ورزی کی گئی اور شرپسند عناصر سے ان کے حقوق کا دفاع نہ کیا گیا تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی۔

(۹) جاسوسی کا نظام

اسلامی ریاست مخالفین کی وجہ سے اکثر خطرات کا شکار رہتی ہے۔ ان خطرات کو ٹالنے کیلئے اسلامی نظریہ دفاع میں انٹیلی جینس کا نظام منظم کیا جاتا ہے تاکہ ریاست کو درپیش خطرات سے پیشگی آگاہ کیا جائے اور ریاست کو نہ صرف عدم استحکام بلکہ اس کے وجود کو مٹنے سے بچایا جائے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔

"دفاع کی شکل پیش بندی کا اقدام بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر حالات کا اندازہ کر کے مناسب پیش بندی کی اور دفاع کیا۔ دفاع کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ آپ دشمن کے انتظار میں بیٹھے رہیں کہ دشمن پہلے آکر حملہ آور ہو جائے اور پھر ہم دفاع کریں۔ اگر یہ یقین ہو جائے کہ دشمن تیاری کر رہا ہے اور مسلمانوں ہی کے خلاف کام کر رہا ہے تو آپ پیش بندی کر کے مناسب پیشگی اقدام کر سکتے ہیں۔ غزوہ بدر اسی پیش بندی کے نتیجے میں رونما ہوا۔"[2]

لہذا اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے ہمیشہ پیش بندی کرنی چاہیے۔ اگر پیش بندی نہ کی جائے تو دشمن ریاستیں اسلامی ریاست کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ اس لئے اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ دفاع میں پیش بندی کی جائے۔

(۱۰) مضبوط سفارتکاری کے ذریعے حلیف بنانا

ریاست کے دفاع میں بعض ایسے غیر فوجی کام ہوتے ہیں جو ریاست کو عدم استحکام سے بچاتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دورے کئے۔ پہلے شمال کی طرف گئے جہاں پر قبیلہ جھینہ سے معاہدہ فرما کر اس کو حلیف بنایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنوب کی طرف گئے۔ وہاں بھی قبائل سے مفاہمت کرتے ہیں۔ پھر مشرق کی طرف جاتے ہیں وہاں کے قبائل سے بھی دوستی کرتے ہیں۔ لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے سفارتکاری کے ذریعے حلیف

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص507

[2] غازی، محمود احمد، **خطبات بہاولپور**، ص335

بنانا بہترین عمل ہے۔ جو نہ صرف اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے بلکہ اس کے وجود کو بھی قائم رکھتا ہے۔ اس لئے اسلام کے نظم دفاع میں سفارتکاری کے ذریعے حلیف بنانا یا اہم جز ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"مدینے کی بستی یا شہری ریاست کو محفوظ کرنے کی تدبیر اس انداز سے کی جارہی ہے کہ مدینے کے اطراف کے علاقوں کو دوست بنالیا جائے تاکہ اگر دشمن مدینے پر حملہ کرنا چاہے تو براہ راست مدینے تک نہ پہنچ سکے۔ بلکہ مدینے تک پہنچنے سے پہلے ہی درمیان کے علاقوں میں اس کو رکاوٹوں سے سابقہ پڑے، ہمارے دوست وہاں ہوں گے وہ بروقت ہمیں اطلاع دیں گے۔ ہم ان کی مدد کو جائیں گے اور اپنے دوست قبائل کی مدد سے ان دشمن کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ گویا ایک 'منڈل' حلقہ قائم ہو گیا۔ وہ چنانچہ مدینے کیلئے مدینے کے اطراف دوستوں کی بستیاں قائم کرتے ہیں اور ان دوستوں کی مدد سے جنگی نقطہ نظر سے مدینے کی حفاظت عمل میں آتی ہے۔"[1]

لہذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کا نظم دفاع دشمن کے خلاف مختلف حلیف بنانے کا تعلیم دیتا ہے۔ اگر ریاست اپنے حلیف بنائے تو دشمن نہ صرف اس کو غیر مستحکم کردیں گے بلکہ اس کے وجود کو بھی مٹا سکتے ہیں۔ لہذا اسلامی ریاست کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے حلیف بنا کر بیرونی خطرات سے خود کو محفوظ کرے۔

(۱۱) اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے عورت کا کردار

اسلامی نظریہ دفاع میں صنف نازک کو ریاست کے دفاع کیلئے فوج مین شمولیت اختیار کرنا ضروری نہیں۔ لیکن اپنے خاندان اور شوہر کی مرضی سے ریاست کے دفاع کیلئے شمولیت کر سکتی ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن مین عورتیں جنگ میں حصہ لیتی نظر آتی ہیں۔ امین احسن اصلاحی کے مطابق عورتوں کا ریاست کے دفاع کیلئے اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ہمراہ نکلنا وہاں مریضوں کی تیمارداری کرنا وغیرہ کی تاریخ اسلام میں اجازت ہے۔ آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فوج میں عورتوں کی شرکت کی بعض مثالیں اگرچہ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں کہ کبھی کبھی بعض عورتیں اپنے شوہروں یا دوسرے عزیزوں کی معیت میں اسلامی فوج کے ساتھ نکلی ہیں اس کے نکلنے کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ مدافعت یا جہاد میں حصہ لینا عورتوں پر بھی اس طرح فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے۔ اسلام میں فریضہ جہاد اصلاً اور اولاً مردوں کیلئے مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو براہِ راست جہاد میں حصہ لینے کی نہ کبھی دعوت دی نہ کبھی ان کی شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عرب کے دستور

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ، **خطبات بہاولپور**، ص209

کے مطابق اگر کچھ خواتین اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ہمراہ نکل پڑیں تو ان کی مریضوں کی تیمارداری، زخمیوں کی مرہم پٹی، کھانا پکانے اور اس قسم کی خدمات میں حصہ لینے کا موقع دیا گیا اور مال غنیمت میں سے بھی بطور حصہ کے نہیں بلکہ بطور عطیہ کے ان کو کچھ دے دیا گیا۔"[1]

لہذا اسلام کے نظم دفاع میں صنف نازک کیلیئے ریاست کے دفاع میں کردار ادا کرنا ضروری نہیں۔ اگر وہ اپنے عزیزوں اور شوہروں کے ساتھ جا کر مرہم پٹی، کھانا پکانا اور زخمیوں کی تیمارداری کی خدمات انجام دے سکتی ہیں۔

مذکورہ بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ منتخب مسلم مفکرین ریاست کے استحکام کے لئے نظم دفاع کے حوالے سے مشترک آراء رکھتے ہیں۔ بعض موضوعات پر مفکرین نے انفرادی طور پر تبصرہ کیا ہے۔ ان موضوعات پر دوسروں نے آراء پیش نہیں کی۔ ریاست کو بیرونی خطرات سے بچانے کیلیئے اسلامی ریاست کو دشمن ریاست پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرنے پر ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی مشترک آراء رکھتے ہیں۔ دیگر مفکرین نے اس موضوع پر اپنی آراء پیش نہیں کی۔ ریاست کو اندرونی شر پسند عناصر سے بچانے کیلیئے تلوار اٹھانے کے حوالے سے ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا مودودی مشترک رائے رکھتے ہیں۔ آپ ہر صورت میں فتنہ و فساد، سازشوں کا خاتمہ اور بغاوت کی سرکوبی کے لئے ریاست کو فوری اقدامات کرنے کی آراء رکھتے ہیں۔ بعض موضوعات ایسے ہیں جس پہ تمام منتخب مسلم مفکرین نے تبصرہ نہیں کیا بلکہ چند نے تبصرہ کیا ہے۔ جیسا کہ اسلامی ریاست کے دفاع کیلیئے مضبوط سفارتکاری کے ذریعے حلیف بنا لینے پر صرف ڈاکٹر حمید اللہ نے تبصرہ کیا ہے۔ مختلف حلیف بنانے سے بیرونی حملہ کا خدشہ رفع ہو جاتا ہے۔ ذمیوں کے عبادت خانوں کی حفاظت اور مرمت کرنے پر صرف مولانا مودودی نے تبصرہ کیا ہے۔ آپ کے مطابق امصار المسلمین یعنی وہ شہر جن کو مسلمانوں نے خاص اپنے لئے آباد کیا ہو اس کے علاوہ ریاست کے دوسرے شہروں میں ذمیوں کو عبادت خانے بنانے اور ان کی مرمت کی اجازت ہو گی۔ ذمیوں کے معبد بنانے اور انکی حفاظت کے حوالے سے صرف مولانا مودودی نے تبصرہ کیا ہے۔ دیگر مفکرین نے نئے معابد خانے بنانے پر تبصرہ نہیں کیا۔ اسلامی ریاست کے دفاع کیلیئے عورت کی شرکت پر صرف امین احسن اصلاحی نے بات کی ہے۔ آپ یہ رائے رکھتے ہیں کہ عورت ریاست کے دفاع میں شامل ہو سکتی ہے۔ دیگر مفکرین نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص164

باب سوم

علماء و مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول: تصور ریاست پر علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

فصول دوم: نظم ریاست میں علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

فصل سوم: علماء و مفکرین کا استحکام ریاست پر مشترک اور امتیازی مباحث کا تقابل

فصل اول

تصور ریاست پر علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

تصور ریاست کے حوالے سے مسلم مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ درج ذیل ہے۔

(ا) جماعتی اور اصولی ریاست

مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست کو اصولی ریاست سمجھتے ہیں۔اس حوالے سے آپ دونوں کی آراء مشترک ہیں۔اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہوتی ہے۔اسلامی ریاست کے نظام کو الٰہی قوانین کے مطابق چلایا جاتا ہے۔لہذا اسلامی ریاست کے نظام کو چلانے کیلئے بھی اصولی لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اسلامی ریاست کو وہ لوگ نہیں چلا سکتے جنہوں نے اسلامی قوانین کو عملی جامعہ نہ پہنایا ہو۔مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

> "اسلامی ریاست کو صرف وہ لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں۔ جنہوں اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو۔ جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں، نہ صرف اس میں عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی سپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہوں اور اس کی تفصیلات سے بھی واقف ہوں۔اسلام نے اس باب میں کوئی جغرافیائی، لونی یا لسانی قید نہیں رکھی ہے۔ وہ تمام انسانوں کے سامنے اپنے دستور اپنے مقصد اور اپنے اصلاحی پروگرام کو پیش کرتا ہے۔ جو شخص بھی اسے قبول کرلے، خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک، کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس ریاست کو چلانے کیلئے بنائی گئی ہے۔اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے جس کے نظم و نسق کو وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے اصولوں کو مانتے ہوں۔"[1]

امین احسن اصلاحی بھی اس مؤقف کی تائید کرتے ہوئے اسلامی ریاست کے اصولی ہونے پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اسلامی ریاست کوئی قومی جمہوری ریاست نہیں جس میں ملک کا ہر باشندہ حاکمیت میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ ایک اصولی ریاست ہے جس میں ریاست کی تشکیل اور اس کو چلانے کی تمام ذمہ داریاں ان لوگوں پر عائد ہوتی ہیں جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اسلامی ضابطہ حیات کے پابند ہوتے ہیں۔ان جمہور مسلمین کو بھی حاکمیت حاصل نہیں ہے بلکہ ان کو خدا کی شریعت کی

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص148

تنفیذ کرنے اور اس مقصد کیلئے خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود اور اس کے ٹھہرائے ہوئے ضابطوں کے اندر ایک سیاسی نظام کی تشکیل کا حق حاصل ہے۔"[1]

بالا بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی کے مطابق اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے اور اس کے نظم و نسق کو الٰہی قوانین کے مطابق چلایا جائے گا۔ اسلامی ریاست کی باگ ڈور کسی عام فرد کے ہاتھ نہیں بلکہ اصولی لوگوں کے ہاتھ میں دی جائے گی۔

(۲) اسلامی ریاست میں مذہب کا گہرا تعلق

مولانا مودودی یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا مذہب کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست مذہب سے جدا نہیں ہو سکتی۔ اسلامی ریاست زندگی کے ہر پہلو میں اسلامی اصولوں کو نافذ کرتی ہے۔ عیسائیت کی طرح اسلام میں ریاست کو مذہب کو الگ کرنے کا تصور نہیں۔ کیونکہ اسلامی ریاست کو چلانے کیلئے بھی قانون الٰہی موجود ہے۔ لہذا ریاست کا مذہب سے گہرا تعلق ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"اسلامی فکر میں دین اور سیاست کی دوئی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی ریاست کو اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ یہ جدوجہد ان کے دین ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس طرح کا اخلاق و حسن کردار کی تعلیمات پاتے ہیں۔ اسی طرح مواشرت، تمدن معیشت اور سیاست کے بارے میں واضح احکام بھی پاتے ہیں۔ اس دوسرے عمل پر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی ریاست ہو اور اگر اس حصہ پر عمل نہ کیا جائے تو شریعت کا ایک حصہ معطل رہ جاتا ہے اور قرآن کے تصور کا معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔"[2]

اسلام میں دین اور سیاست کی علیحدگی کا کوئی نظریہ نہیں پایا جاتا۔ قرآن پاک میں جابجا اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت کی تعلیمات دی ہیں اور ان حکومتی معاملات کو احسن طریقے سے انجام دینا عبادت ہے۔ حامد الانصاری لکھتے ہیں۔

"اسلام نے آج تک حکومت سے دستبردار ہونے کے متعلق کوئی دستاویز نہیں لکھی کیونکہ خالص قانونی حوالوں سے یہ علم ہے کہ اسلام دنیا کی حکومت کو اپنا منصب قرار دیتا ہے۔ قرآن حکیم اسلام کا قانون کلی ہے اس کے صفات پر جابجا حکومت کا ذکر ہے۔ اس میں اسلام کی تخلیق

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص 27

[2] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص 21

اور اسلام کی تکوین کے ساتھ عالمگیر نیابتی حکومت کا ذکر ہے۔اس کے مختلف پاروں میں خدا کی حکومت و حاکمیت، بندگان خدا کی امامت و ریاست کا تذکرہ موجود ہے۔"[1]

لہذا اسلامی ریاست میں مذہب کا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ کونکہ اسلامی ریاست کے تمام قوانین من جانب اللہ ہوتے ہیں۔اس لئے مغرب کی طرح اسلامی ریاست میں مذہب کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔بلکہ مذہبی تعلیمات کے مطابق ریاست کے نظام کو چلایا جائے گا۔

(۳) اسلامی ریاست میں جمہوریت

منتخب مسلم مفکرین میں سے مولانا مودودی واحد مفکر ہیں جو (Theo-Democracy) کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔آپ مغربی جمہوریت کے خلاف ہیں کیونکہ مغربی جمہوری ریاست میں قوانین انسان کی اجتماعی مرضی سے بنائے جاتے ہیں۔جبکہ اسلامی ریاست میں ایسا ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے ہر پہلو کیلئے قوانین نازل کئے ہیں۔لہذا اسلامی ریاست مغربی طرز جمہوریت کے تحت نہیں چل سکتی۔آپ لکھتے ہیں۔

"ایک شخص بیک نظر اس خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت نہیں ہے۔اس لئے فلسفیانہ نقطہ نظر سے جمہوریت تو نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو۔انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور صرف انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو۔جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔یہ بات اسلام میں نہیں ہے۔یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے سے دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست و قوم کو کرنی پڑتی ہے۔لہذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتا۔اس لئے زیادہ صحیح نام 'الٰہی حکومت' ہے۔جس کو انگریزی میں (theocracy) کہا جاتا ہے۔"[2]

مولانا مودودی اسلامی ریاست کو اس طرح کی (theocracy) نہیں تصور کرتے جس طرح کہ مغرب میں تصور کیا جاتا ہے۔جس میں ایک مخصوص طبقہ قابض ہو جاتا ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

"مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے اسلامی تھیاکرسی اس سے بالکل مختلف ہے۔یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملاً اپنی خدائی عام بندوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ایسی حکومت کو الٰہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔بخلاف اس کے اسلام جس تھیاکریسی

---

[1] حامد الانصاری، **اسلام کا نظام حکومت**، ص129

[2] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص139

کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرز حکومت کو(Theo-democracy)یعنی 'الٰہی جمہوری حکومت' کے نام سے موسوم کروں گا۔ کیونکہ اس میں خدا کے اقتدار اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت عطا کی گئی ہے۔"[1]

لہذا مولانا مودودی موجودہ مغربی جمہوری نظام کے خلاف ہیں اور الٰہی جمہوریت کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ جس میں ریاست کے سربراہ کا انتخاب تو عوان کرے گی مگر قوانین من جانب اللہ ہوں گے۔ ریاست کے قوانین لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں بنائے جائیں گے۔

(۴) خلافت

خلافت کے مفہوم کے حوالے سے مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد مشترک رائے رکھتے ہیں مگر خلافت کے قیام کے حوالے سے مختلف آراء رکھتے ہیں۔ مولانا مودودی اسلامی ریاست میں خلیفہ کو ریاست کا سربراہ تصور کرتے ہیں۔ انسان کو خلافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے اور اس کی ذمہ داری اللہ کے قوانین کو ریاست میں نافذ کرنا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"انسان زمین کا فرمانروا ہے۔ مگر اس کی فرمانروائی بالاصالت نہیں ہے بلکہ تفویض کردہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کے اختیارات مفوضہ کو امانت سے تعبیر کیا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ اس کی طرف سے ان اختیارات مفوضہ کو استعمال کرتا ہے اسے خلیف کہا گیا ہے۔ اس تشریح کے مطابق خلیفہ کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ شخص جو کسی کے بخشے ہوئے اختیارات کو استعمال کرے۔"[2]

مولانا مودودی اپنی دوسری کتاب میں خلافت کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"خلافت کی صحیح صورت یہ ہے کہ ریاست اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قانونی بالادستی تسلیم کرکے اس کے حق میں حاکمیت سے دستبردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص140

[2] ایضاً، ص217

خلافت قبول کر لے اور خلیفہ کی حیثیت سے اس کے ہر قسم کے اختیارات چاہے۔وہ تشریعی ہوں یا قانونی اور انتظامی، لازماً ان حدود سے محدود ہوں گے جن کا تعین اللہ فرماتا ہے۔"[1]

ڈاکٹر اسرار احمد خلافت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"خلافت حاکمیت کی ضد ہے اور حاکمیت صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے۔اور کوئی نہیں جو اللہ بزرگ و برتر کے سوا حاکمیت کا دعویدار ہو۔"[2]

قیام خلافت میں ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد قیام خلافت کے مراحل میں مرحلہ مسلح تصادم کا بیان کرتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔

"رائج الوقت باطل نظام آسانی سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔اس مقصد کے حصول کیلئے لوگوں کو اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔خون کی ندیاں بہانا پڑیں گی۔اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھما کو اپنے خون کا نظرانہ پیش کرنا پڑا تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آج نظام خلافت بنا خون بہائے قائم کیا جائے۔اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون طائف کی زمین میں جذب ہوا اور دامن احد میں گرا تو اور کون شخص ہو گا جو یہ کہے گا کہ خون دیے بغیر ایسا ہو سکتا ہے۔"[3]

مولانا مودودی اس کے برعکس قیام خلافت کیلئے افراد کی ذہنی تربیت کی رائے رکھتے ہیں۔آپ کے مطابق اگر افراد کی صحیح تربیت کی جائے تو آہستہ آہستہ تمام معاشرہ ذہنی طور پر تربیت یافتہ ہوتا چلا جائے گا اور موجودہ سیاسی نظام کی جگہ خود بخود اسلام کا نظام خلافت رائج ہو جائے گا۔آپ لکھتے ہیں۔

"اسلامی معاشرے کا ہر فرد خلافت کے حقوق اور اختیار رکھتا ہے۔ان حقوق واختیارات میں تمام افراد بالکل برابر کے حصے دار ہیں۔ریاست کا نظم و نسق چلانے کیلئے جو حکومت بنائی جائے گی وہ انہی افراد کی مرضی سے بنے گی۔یہی افراد اپنے اختیارات خلافت کا ایک حصہ اسے سونپیں گے۔جو ان کا اعتماد حاصل کرے گا وہ خلافت کے فرائض انجام دے گا۔"[4]

لہذا بالا تبصرے سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد اسلامی ریاست میں خلافت کے نظام کے قائل ہیں مگر خلافت کے قیام کیلئے آپ دونوں کی آراء میں اختلاف ہے۔

---

[1] مودودی، **خلافت وملوکیت**، ص23

[2] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**،(لاہور: مکتبہ جدید پریس،1982ء)، ص47

[3] اسرار احمد، **پاکستان میں نظام خلافت، کیا، کیوں اور کیسے ؟**،(لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور،2005ء)، ص52

[4] مودودی، **اسلام کا نظام حیات**، ص12-13

(۵) اسلامی ریاست میں شورائیت کا نظام

مولانا مودودی، ڈاکٹر حمید اللہ اور امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست میں شورائیت کے حوالے سے مشترک آراء رکھتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اسلامی ریاست میں شورائیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ ریاست کے تمام امور باہمی مشورے سے چلائے جاتے ہیں۔ مولانا مودودی اس حوالے سے اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔

> "مشاورت اسلامی طرز زندگی کا اہم ستون ہے اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ مشاورت کو اسلام میں یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ اس کے وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو تین باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ جس معاملے کا تعلق دو یا زائد آدمیوں کے مفاد سے ہو اس میں کسی ایک شخص کا اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالنا اور دوسرے متعلق اشخاص کو نظر انداز کر دینا زیادتی ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان مشترک معاملات میں اپنی من مانی چلانے کی کوشش یا تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جن معاملات کا تعلق دوسروں کے حقوق اور مفاد سے ہو ان میں فیصلہ کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔"[1]

لیکن اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے معاملات کے متعلق فیصلہ کرتے وقت مجلس شوریٰ اپنی رائے کو حتمی قرار نہیں دے سکتی بلکہ اس رائے کو بھی احکام خداوندی کا پابند ہونا ضروری ہے۔ مشاورت حدود الٰہیہ سے تجاوز نہیں کرے گی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

> "اسلام کے اصول شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات چلانے میں مطلق العنان اور مختار کل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کی حدود سے محدود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تشریع سے مقرر کیا ہے۔ اور اس اصل الاصور کی پابند ہے کہ 'تمہارے درمیان جس معاملے میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے'۔"[2]

ڈاکٹر حمید اللہ بھی اسلامی ریاست کیلئے شوریٰ کو اہم گردانتے ہیں۔ مکی دور کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص661

[2] ایضاً، ص665

"چنانچہ ایک اور ادار دار الندوہ تھا یعنی پارلیمنٹ۔ جب کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیدا ہوتا تھا، مثلاً کسی دشمن کے حملے کا خطرہ یا کوئی اور معاملہ درپیش ہوتا تو سارے معمر باشندوں سے گفتگو ہوتی تھی۔ لکھا ہے کہ ہر شخص، جس کی عمر چالیس سال ہوتی تھی، وہ خود بخود اس مجلس مشاورت یا پارلیمنٹ لا رکن بن جاتا۔"[1]

امین احسن اصلاحی کے مطابق اسلامی ریاست میں شوریٰ کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اس کا اہم جز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ براہ راست وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل تھی اور آپ کسی معاملے میں دوسروں سے مشورہ لینے کے محتاج نہیں تھے لیکن شورائی نظام قانون سازی اور تدبیر مملکت کے نقطہ نظر سے چونکہ ضروری تھا اس وجہ سے حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے طرز عمل سے اس کی بنیاد رکھیں اس وجہ سے آپ کو قرآن میں یہ حکم دیا گیا 'پس ان سے در گزر کرو اور ان کیلئے اللہ سے مغفرت چاہو اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہو'۔"[2]

ڈاکٹر طاہر القادری بالا مفکرین کے برعکس یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں شوریٰ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ شوریٰ عام اور شوریٰ خاص۔ دیگر منتخب مفکرین نے اس طرح کی کوئی درجہ بندی نہیں کی۔ ڈاکٹر طاہر القادری تبصرہ کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے دور میں شوریٰ دو حصوں میں مشتمل تھی۔ اس لئے اسلامی ریاست کی شوریٰ بھی دو حصول پر مشتمل ہو گی۔ آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ریاست کی پارلیمنٹ مجلس شوریٰ کہلاتی تھی جس کے دو ایوان تھے۔ شورائے عام اور شورائے خاص۔ جس کو ہم جدید اصلاح میں 'House of Commons' اور 'House of Lords' سے یا اپنی دستوری اصطلاحات میں 'Natonal Assembaly' اور 'Senate' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مہاجرین و انصار کا عمومی اور نمائندہ ادارہ تھا۔ جب کے شورئے خاص مخصوص اہل علم، ماہرین، متخصصین یعنی 'Technocrates' اور بڑے بڑے تجربہ کار صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنھما کا نامزد شدہ ادارہ تھا۔"[3]

---

[1] حمید اللہ، **خطبات بہاولپور**، ص189

[2] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص29

[3] طاہر القادری، **سیاسی مسئلہ اور اس کا حل**، (لاہور: مرکزی ادارہ منہاج القرآن، 1976ء)، ص73

بالا تبصرہ سے یہ بات واضح ہے کہ مولانا مودودی، ڈاکٹر حمید اللہ، ڈاکٹر طاہر القادری اور امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست کیلئے شوری کے نظام کو اہم گردانتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے نظم و نسق کو چلانے کیلئے شوریٰ کا نظام بہت اہم ہے۔ لیکن شوریٰ ڈاکٹر طاہر القادری دیگر مفکرین کی نسبت شوریٰ کے قیام کے حوالے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

(٦) آئین ریاست

اسلامی ریاست میں آئین سازی کے حوالے سے دیگر منتخب مسلم مفکرین کی نسبت مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ اسیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے دستور سازی بہت اہم مرحلہ ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اسلامی ریاست میں دستور کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ریاست مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود بحیثیت رسول سب سے پہلا کام اسلامی ریاست کی دستور سازی کی۔ جس میں ریاست میں موجود تمام قسم کے افراد کو مد نظر رکھا۔ آپ لکھتے ہیں۔

"شہر مدینہ کی آبادی کے جو مختلف عناصر تھے ان سب کے نمائندوں کو بلایا اور ان سب کے سامنے حکومت قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو اکثریت نے قبول کیا۔ لکھا ہے کہ صرف دو یا چار او سی اشخاص نے انکار کیا۔ اس طرح ایک مملکت قائم ہوتی ہے جو ایک شہر پر نہیں بلکہ ایک شہر کے کچھ حصہ پر مشتمل ہونے کے باوجود علمی اور تاریخی نقطہ نظر سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یوں ایک مملکت میں جو حقوق و فرائض ہوں ان کو تحریری طور سے مرتب کیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں اس مملکت کے دستور مرتب کر کے سب کے سامنے پیش کیا گیا اور سب کے مشورہ سے اسے لکھا گیا۔ اس تاریخی دستاویز خاص قابل ذکر اہمیت یہ ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور امی شخص کے ہاتھوں وجود آتا ہے۔"[1]

مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک اسلامی ریاست کا آئین قرآن وحدیث، اجماع صحابہ اور اجہاد پر مبنی ہو گا۔ اسلامی ریاست آئین پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی پہلے ماخذ پر بات فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قرآن مجید اسلامی ریاست کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین ہیں۔ یہ احکام اور فرامین انسان کی پوری زندگی کے معاملات پر حاوی ہیں۔ ان میں صرف انفرادی کردار اور سیرت کے بارے میں ہدایات نہیں دی گئی ہیں بلکہ اجتماعی زندگی کے بھی ہر پہلو کی اصلاح و تنظیم کیلئے کچھ اصول اور کچھ قطعی احکام دیے گئے ہیں اور اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسلمان اپنی ریاست کن اصولوں اور کن مقاصد کیلئے قائم کریں۔"[2]

---

[1] حمید اللہ، **اسلامی ریاست**، ص 21-20

[2] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص 291

ڈاکٹر حمید اللہ بھی قرآن مجید کو اسلامی ریاست کے دستور کا اساسی ماخذ گردانتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"جہاں اسلام کی تاریخ کا تعلق ہے تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' ہم جانتے ہیں کہ غارِ حرا میں پہلی وحی سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک تئیس سال کے عرصہ پر مشتمل رہا' اور یہ کہ اسلام کا اساسی ماخذ قانون یعنی قرآن مجید ایک دم نازل نہیں ہوا۔ وہ کتابی صورت میں یا تختیوں پر لکھے ہوئے 'حضرت موسیٰ کے قانون کی طرح ہم تک نہیں پہنچا۔ بلکہ تئیس سال کے عرصہ میں وقتاً فوقتاً نازل ہونے والی آیات کی صورت میں امت تک پہنچایا گیا۔"[1]

مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک اسلامی ریاست کے دستور کا دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مودودی اسلامی ریاست کے دستور کے دوسرے ماخذ سنت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ہدایات کو اور اس کے دیئے ہوئے اصولوں کو عرب کی سر زمین میں کس طرح نافذ کیا' کس طرح اسلام کے تخیل کو عمل کا جامعہ پہنایا' کس طرح اس تخیل پر ایک سوسائٹی کی تشکیل کی۔ پھر کس طرح اس منظم کرکے ایک اسٹیٹ کی شکل دی اور اسٹیٹ کے مختلف شعبوں کو کس طرح چلا کر بتایا۔ یہ چیزیں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہمیں معلوم ہوسکتی ہیں اور انہی کی مدد سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ قرآن کا ٹھیک ٹھیک منشا کیا ہے۔"[2]

اسلامی دستور کے دوسرے ماخذ سنت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

"اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ حدیث و سنت ہیں اور وہ ایک محدود مدت کیلئے ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کا وجود ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ان کا دوام ان کی عمر بھی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ہمارے پاس محفوظ رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان میں تبدیلی غیر ممکن ہو جاتی ہے۔"[3]

قرآن و سنت کے بعد اسلامی ریاست کے دستور کا تیسرا ماخذ خلافت راشدہ کا تعامل تصور کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ نے ان ماخذ کو اسلامی ریاست کے دستور کے لئے بڑی اہمیت کا حامل گردانا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

---

[1] حمید اللہ، **اسلامی ریاست**، ص61

[2] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص292

[3] حمید اللہ، **اسلامی ریاست**، ص62

"تیسرا ماخذ خلافت راشدہ کا تعامل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی اسٹیٹ کو خلفائے راشدین نے جس طرح چلایا اس کے نظائر کو اور اس کی روایات سے حدیث، تاریخ اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور یہ سب چیزیں ہمارے لئے ایک نمونہ کا حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلام میں یہ اصول شروع سے آج تک مسلم رہا ہے کہ دینی احکام و ہدایات کی جو تعبیریں صحابہ کرام نے بالاتفاق کی ہیں اور دستوری و قانونی مسائل کے جو فیصلے خلفائے راشدین نے صحابہ کے مشورے سے کر دیے ہیں وہ ہمارے لئے حجت ہیں۔ یعنی ان کو جوں کا توں تسلیم کرنا پڑے گا۔"[1]

مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق اسلامی ریاست کے دستور کا چوتھا ماخذ اجتہاد ہے۔ اسلامی ریاست کے چوتھے ماخذ اجتہاد کے بارے میں بات کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"چوتھا ماخذ مجتہدین امت کے وہ فیصلے ہیں جو انہوں نے مختلف دستوری مسائل پیش آنے پر علم و بصیرت کی روشنی میں کئے ہیں۔ یہ چاہے حجت نہ ہوں مگر بہر حال اسلامی دستور کی روح اور اس کے اصولوں سمجھنے میں ہماری بہترین رہنمائی کرتے ہیں۔"[2]

ڈاکٹر حمید بھی اسلامی ریاست کے دستور سازی میں اجتہاد کو بطور ماخذ گردانتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"چنانچہ قرآن وحدیث میں سکوت کی صورت میں یا اس میں قانون نہ ملنے کی صورت میں ہمیں اجتہاد کی اجازت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اختیار بہت ہی محدود ہے۔ اگر قرآن وحدیث میں صراحت موجود ہے تو اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت اجتہاد کر سکیں گے جب کہ قرآن وحدیث میں باوجود تلاش کے کوئی قاعدہ' کوئی حکم پیش نظر مسئلے سے متعلق نہ ملتا ہو۔"[3]

لہذا بالا تبصرے سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ اسلامی ریاست میں آئین سازی کیلئے قرآن وسنت، خلافت راشدہ کا عمل اور اجماع کو اہم گردانتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا آئین احکام خداوندی پر مبنی ہو گا۔

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص310

[2] ایضاً، ص310

[3] حمید اللہ، **اسلامی ریاست**، ص69

(۷) اسلامی ریاست کی مقننہ اللہ تعالیٰ کی ذات

مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کی مقننہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ریاست کا قانون خدا کی طرف سے معین کردہ ہوگا جس کی پابندی ریاست کے ہر فرد پر بغیر کسی طبقاتی فرق کے لازم ہے۔ مولانا مودودی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> " قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لئے کوئی قانون بنا سکتے ہیں اور نہ خدا کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ اسلامی اسٹیٹ بہر حال اس قانون پر قائم ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے۔ اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔"[1]

الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا تو مسلمان اجتہاد کے ذریعے بھی ریاست کے قوانین بنائیں گے۔ آپ مزید لکھتے ہیں۔

> "انتظامیہ اور مقننہ مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔"[2]

امین احسن اصلاحی بھی اپنی کتاب میں یہی تصور پیش کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں حاکمیت چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اس لئے قانون بھی اس کا مہیا کیا ہوا لاگو ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "اسلام میں حاکمیت کے اقرار کیلئے یہ ضروری شرط ہے کہ اس کی تکوینی حکومت کے ساتھ ساتھ اس کی تشریعی حکومت کا بھی اقرار کیا جائے کہ وہی تنہا اس کائنات کا خالق و مالک اور حاکم ہے اور دوسری طرف بات کا بھی اقرار کیا جائے کہ تنہا اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے بندوں کیلئے نظام زندگی تجویز کرے اور ان کیلئے قانون بنائے۔"[3]

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص138

[2] ایضاً ص139

[3] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص23

لہذا مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی کی آراء سے یہ واضح ہے کہ آپ اسلامی ریاست میں مقننہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ ریاست کے قوانین اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مبنی ہوں گے۔

(۸) عدل پر مبنی ریاست

اسلامی ریاست کو عدل پر مبنی ہونا چاہیے۔ عدل اسلامی ریاست کا بنیادی پہلو ہو۔ ریاست کے تمام افراد کو بلا کسی تفریق کے عدل کی فراہمی اسلامی ریاست کی اولین ترجیح ہے۔ مولانا مودودی قرآن پاک کی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر آٹھ پر تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "یہ آیت اگرچہ وسیع ترین مفہوم میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر عدل کا پابند بناتی ہے' مگر ظاہر ہے کہ ان کے اس تقاضے سے اسلامی ریاست آزار نہیں ہوسکتی۔ لامحالہ اس کو بھی عدل کا ہی پابند ہونا چاہیے۔ بلکہ اس سے تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے' کیونکہ حکم بین الناس کا سب سے زیادہ طاقتور ادارہ وہی ہے اور اگر اس کے حکم میں عدل نہ ہو تو پھر معاشرے میں اور کہیں عدل نہیں ہوسکتا۔ اب دیکھئے کہ جہاں تک ریاست کا تعلق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت سے حکم بین الناس میں عدل برتنے کا کیا طریقہ ثابت ہوتا ہے۔ حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے جن بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا تھا ان میں ایک اصول یہ بھی تھا' یقیناً تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی محترم ہیں جیسا آج حج کا دن ہے'۔"[1]

اسلامی ریاست عدل کے تصور پر استوار ہے۔ یہ عدالتی نظام نہ صرف عوام الناس بلکہ ریاست کے تمام افراد کیلئے ہے۔ ریاست کی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدے دار ہوں یا ریاست کا خود سربراہ الغرض ہر شخص عدل سے ماورا نہیں ہے۔ مولانا مودودی مزید لکھتے ہیں۔

> "اسلام میں صدر ریاست اور گورنروں اور اعلیٰ حکام اور عامۃ الناس' سب کیلئے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہے۔ کسی کیلئے کوئی قانونی امتیاز نہیں ہے۔ کسی کیلئے خاص عدالتیں نہیں ہیں اور کوئی قانون کی پکڑ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں خود اپنے آپ کو پیش کیا کہ جس کو میرے خلاف کوئی دعویٰ ہو وہ لائے اپنا حق وصول کرے۔"[2]

امین احسن اصلاحی نہ صرف اسلامی ریاست کو عدل پر مبنی ریاست تصور کرتے ہیں بلکہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں عوام کو انصاف بغیر معاوضہ کے فراہم کیا جائے۔ آپ لکھتے ہیں۔

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص411

[2] ایضاً ص413

"حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نظام عدالت کی جس خاص خصوصیت پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا دروازہ ایک غریب اور ایک امیر، ایک با اثر اور ایک بے اثر، دونوں کیلئے یکساں کھلا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ صرف سونے اور چاندی کی کنجیوں سے ہی کھل سکتا ہو اور جن کے پاس سونے اور چاندی کی یہ کنجیاں موجود نہ ہوں وہ اس کے اندر باہر ہی نہ پا سکتے ہوں۔"[1]

ڈاکٹر حمید اللہ اسلامی ریاست میں عدل کی اہمیت کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہمیں مدینے میں دو نئے ادارے قائم ہوتے اور ترقی کرتے نظر آتے ہیں جو بعد میں سارے ملک میں پھیل جاتے ہیں۔ ایک مفتی کا ادارہ ہے اور دوسرا قاضی کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو نامزد کرتے اور کہتے کہ فریقین کے بیانات کو سن کر یا بر سر موقع جا کر حالات کو دیکھ کر فیصلہ کرو۔ گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ نائب نے وہ فیصلہ کیا تھا۔"[2]

لہذا بالا تبصرہ سے یہ بات واضح ہے کہ مولانا مودودی، ڈاکٹر حمید اللہ اور امین احسن اصلاحی عدل پر مبنی اسلامی ریاست کے قیام کی آراء رکھتے ہیں۔ آپ کی آراء کے مطابق اسلامی ریاست میں موجود ہر فرد کو بلا امتیاز انصاف مہیا کیا جائے۔

(۹) اولی الامر کی اطاعت

مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی نظریہ سیاست میں ریاست کا سربراہ اطاعت کا مستحق ہے اگر احکام خداوندی کی پیروی کرتے ہوئے ریاست کے امور کو چلائے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"اطاعت جو اسلامی ریاست میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ 'ان اولی الامر' کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔ 'اولی الامر' کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں۔ خواہ وہ ذہنی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار۔ غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کو صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے اور اس سے

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص139

[2] حمید اللہ، **اسلامی ریاست**، ص74

نزاع کرنا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو اور خدا اور رسول کا مطیع ہو۔"[1]

امین احسن اصلاحی بھی اسلامی ریاست میں اولوالامر کی اطاعت کو اہم سمجھتے ہیں۔آپ کے مطابق اولوالامر کی اطاعت امر بالمعروف سے مشروط ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

"اولوالامر کی اطاعت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ معروف کا حکم دیں۔اگر وہ منکر کی اطاعت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے گی۔معروف سے مراد وہ باتیں ہیں شریعت میں پسندیدہ ہوں اور منکر سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں ناپسندیدہ ہوں۔پسندیدہ و ناپسندیدہ کو جانچنے کیلئے اسلام نے کتاب و سنت کے سوا کسی اور معیار کو تسلیم نہیں کیا ہے۔"[2]

لہذا امین احسن اصلاحی اور مولانا مودودی اسلامی نظریہ سیاست میں ریاست کے سربراہ کی اطاعت کو اہم سمجھتے ہیں۔اولی الامر سے مراد صرف حاکم ریاست نہیں بلکہ سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار بھی مراد ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منتخب مسلم مفکرین تصور ریاست میں مشترک اور مختلف آراء رکھتے ہیں۔منتخب مسلم مفکرین کے آراء کے مطابق اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے۔جس کا مذہب کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔اسلامی ریاست میں دین اور سیاست الگ نہیں ہو سکتے۔منتخب مسلم مفکرین میں سے مولانا مودودی اسلامی ریاست میں جمہوریت کے نظریہ کے قائل ہیں۔جس کو آپ تھیو ڈیموکریسی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔آپ مغربی طرز جمہوریت کی مخالفت کرتے ہیں۔آپ کے مطابق مغربی طرز جمہوریت میں قوانین عوام کی مرضی کے مطابق بنتے ہیں جبکہ تھیوڈیموکریسی میں قوانین من جانب اللہ ہوتے ہیں۔مذکورہ منتخب مسلم مفکرین اسلامی ریاست میں شوارائی نظام کے متعلق آراء رکھتے ہیں۔ڈاکٹر طاہر القادری شوریٰ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔جبکہ دیگر مفکرین نے اس طرح کی تقسیم نہیں کی۔آئینِ ریاست کے حوالے سے آپ کی آراء مشترک ہیں کہ آئین ریاست قرآن، حدیث، عمل صحابہ اور اجتہاد پر مبنی ہوگا۔اسلامی ریاست میں مقننہ اللہ کی ذات کو تصور کرتے ہیں۔منتخب مسلم مفکرین اسلامی ریاست میں عدل کے قیام کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔امین احسن اصلاحی منتخب مسلم مفکرین میں سے واحد مفکر ہیں جو ریاست میں عدل بلا معاوضہ مہیا کرنے کی رائے رکھتے ہیں۔آپ کے مطابق وکلاء کی بھاری فیسیں صرف ہل ثروت ہی ادا کر سکتے ہیں۔گویا عدل کی فراہمی صرف اہل ثروت تک محدود ہو جاتی ہے۔آپ یہ رائے رکھتے ہیں کہ ریاست کے تمام افراد کو انصاف بلا معاوضہ فراہم کیا جائے۔

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص 201

[2] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص 236

فصل دوم: نظم ریاست میں علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

فصل دوم

نظم ریاست میں علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

(الف): نظم معیشت میں علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

ریاست کے استحکام میں نظم معیشت کے کردار پر منتخب علماء و مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ ذیل ہے۔

(ا)عالمی معاشی اداروں کی غیر اسلامی پالیسیوں سے بچنا

خلافت کے سقوط کے بعد مغربی ممالک نے عالمی معاشی ادارے قائم کئے۔ جس کا مقصد پوری دنیا کی معیشت کو اپنے شکنجے میں لانا ہے۔ان عالمی معاشی اداروں کی پالیسیاں دوسرے ممالک کو معاشی طور پر غلام بنانے پر مبنی ہیں۔ ممالک عالمی معاشی اداروں سے قرض لیتے ہے تو عالمی معاشی ادارے سود لاگو کرتے ہیں۔ جس سے ٹیکسوں پر اضافہ ہوتا ہے اور عوام پر بوجھ پڑتا ہے۔ یا تو پھر قرض کی ادائیگی کیلئے ان ممالک کو مزید قرض لینا پڑتا ہے جس سے وہ مزید سود کی دلدل میں دھنستے جاتے ہیں۔ اس طرح سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد اس حوالے سے مشترک رائے رکھتے ہیں اسلامی ریاست کو عالمی معاشی اداروں کی غیر اسلامی پالیسیوں سے بچنا چاہیے۔ مولانا مودودی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "قرض دار ملک کی حکومت اس پھندے سے نکلنے کیلئے کوشش کرتی ہے کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ اور مصارف میں مزید تخفیف کر کے کسی طرح جلدی سے جلدی اس سے چھٹکارا پائے۔ مگر اس کا اثر باشندگان ملک پر پڑتا ہے کہ پیہم اور روز افزوں مالی بار اور معاشی تکلیف اٹھاتے اٹھاتے ان کے مزاج میں تلخی آجاتی ہے۔ بیرونی قرض خواہ کی چوٹوں اور سیاسی دباؤ پر وہ اور زیادہ چڑ جاتے ہیں۔ اپنے ملک کے اعتدال پسند مدبروں پر ان کا غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور معاملہ فہم لوگوں کو چھوڑ کر وہ انتہا پسند جواریوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔"[1]

موجودہ بین الاقوامی معاشی ادارے سود پر مبنی ہیں اور اسی سود جیسی لعنت نے اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک کے معاشی حالات بھی تباہ کر دیے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد اسلامی ریاست کو سودی معاشی اداروں سے کنارہ کش کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

---

[1] مودودی، سود، ص92

"ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کی ایک سطح مالیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔"[1]

لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے عالمی معاشی اداروں کی غیر اسلامی پالیسیوں سے بچنا ناگزیر ہے۔ بین الاقوامی معاشی اداروں سے کنارہ کش کرنے میں اسلامی ریاست کے استحکام کی ضمانت ہے۔

(۲) سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ

اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ضروری ہے۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی گردش نہیں ہوتی اور دولت ایک ہی ہاتھ میں رہ جاتی ہے۔ محنت کش طبقہ کا استحصال کیا جاتا ہے۔ محنت کش طبقہ کا استحصال کیا جائے گا تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کے بجائے سرمایہ دار کے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس بارے لکھتے ہیں۔

"اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے۔ جبکہ سرمایہ کو محض سرمایہ کی حیثیت سے earning factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی chance کو محض chance کی حیثیت سے کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ حرام ہے۔ جب سرمایہ سرمائے کی حیثیت سے earning agent بنتا ہے۔"[2]

سرمایہ دارانہ نظام ریاست میں ایسی خرابیاں پیدا کرتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس نظام میں سرمایہ حاصل کرنے کیلئے مصنوعی طور پر چیزوں کی قیمتیں بڑھائی جاتی ہے۔ منصوبوں کے تحت اشیاء کا قحط پیدا کیا جاتا ہے۔ جس کا نقصان نہ صرف رعایا کو اٹھانا پڑتا ہے بلکہ اس سے ریاست کی معیشت کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ مولانا مودودی اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ابھی تک نظام سرمایہ داری کا یہ عیب دور نہیں ہوا کہ مصنوعی طور پر قیمتیں چڑھائی جاتی ہیں اور باقاعدہ منصوبے بنا بنا کر بعض اشیاء کا قحط پیدا کیا جاتا ہے۔"[3]

---

[1] اسرار احمد، **پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات وخدشات اور بچاؤ کی تدابیر**، ص4

[2] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، ص117

[3] مودودی، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**، ص65

سرمایہ دارانہ نظام کا محور چونکہ ذاتی مفاد ہوتا ہے اس لئے حلال و حرام میں تمیز بھی نہیں کی جاتی۔ حلال و حرام میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے معاشی نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ مفتی تقی عثمانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ذاتی منافع کے محرک پر حلال و حرام کی پابندی نہ ہونے کی وجہ سے سود، قمار، سٹہ وغیرہ سب سرمایہ دارانہ نظام میں جائز ہیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو معیشت میں فطری طور پر بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔"[1]

مزید تبصرہ کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ حلال و حرام میں تمیز نہ ہونے سے سرمایہ دار طبقہ دولت وافر مقدار میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جس سے غریب مزدور پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ،

"سرمایہ دارانہ نظام میں خاص طور پر تقسیم دولت کا نظام ناہمواری کا شکار رہتا ہے۔ اس ناہمواری کا سبب سود اور قمار ہے۔ اس کے نتیجے میں دولت کے بھاؤ کا رخ امیروں کی طرف رہتا ہے، غریب اور عوام کی طرف نہیں ہوتا۔"[2]

سرمایہ داری کے بھیانک اثرات پر مولانا مودودی تبصرہ کرتے ہیں کہ سرمایہ دار طبقہ جب دیکھتا ہے کہ اس کا مال من پسند طریقوں سے نہیں بک رہا تو وہ روک دیتے ہیں۔ جس سے کارخانے نیا مال بنانے سے رک جاتے ہیں اور بے روزگاری بڑھ جاتی ہے۔ اس کا نقصان ریاست اور رعایا کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اس نکتہ پر بات کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"نظام سرمایہ داری کو وہ بیماری لگی ہوئی ہے جسے کاروبار کا چکر (cycle trade) کہتے ہیں۔ جس میں ہر چند سال کی گرم بازاری کے بعد دنیا کی معیشت پر کساد بازاری کے دورے پڑتے ہیں۔ کاروبار کی دنیا پوری رفتار کے ساتھ مزے سے چل رہی ہوتی ہے کہ یکایک تجار محسوس کرتے ہیں کہ جو مال ان کے گوداموں میں آ رہا ہے وہ مناسب رفتار سے نہیں نکل رہا۔ وہ ذرا فرمائشیں روکتے ہیں۔ صناع یہ حال دیکھ کر ذرا مال کی تیاری سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔ سرمایہ دار خطرے کی اس علامت کو بھانپتے ہوئے قرض سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور پہلے کا دیا ہوا بھی واپس مانگ لیتا ہے۔ کارخانے بند ہونے شروع ہوتے ہیں، بے روزگاری بڑھتی ہے۔ قیمتیں گرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ تاجر اور گاہک مزید قیمتیں گرنے کی امید پر فرمائش اور خریداری سے ہاتھ روکتے ہیں۔ چلتے ہوئے کارخانے بھی پیداوار کم کر دیتے ہیں۔ بے روزگاری اور زیادہ بڑھ جاتی

---

[1] عثمانی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت**، ص36

[2] ایضاً، ص37

ہے۔ حکومتیں آمدنی دیکھ کر مصارف میں کمی کرنے لگتی ہے۔ کساد بازاری میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔"[1]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق اسلام نے اس کے عوض جو معاشی نظام مہیا کیا ہے اس سے معیشت میں بگاڑ پیدا ہوتا نہیں ہوتا اور سماج میں خوش حالی اور اسلامی ریاست مستحکم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سرمایہ کاری کے تین اسلامی طریقے بیان کرتے ہیں۔

"اول یہ کہ اپنا سرمایا یہ اور اپنی محنت کرے، دو سرا ایک سے زائد لوگ مل کر سرمایہ اور محنت لگائیں اسے شراکت کہا جائے گا۔ مگر اس میں اسلامی نقطہ نظر سے ایک شرط عائد کی گئی ہے کہ شرکت محدود ذمہ داری کا تصور نہ ہو۔ یہ تصور حرام ہے۔ دنیا میں تمام سکینڈلز اسی limited inability کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ آپ نے اپنے سرمائے کو نکال لیا۔ اپنے assests بنا لئے اور پھر کمپنی کا دیوالیہ قرار دے دیا۔ اب وہ روتے پھریں جن کو ادائیگیاں کرنا آپ کے ذمہ تھا۔ آپ کی ذاتی جائیداد سے وہ اپنا قرضہ وصول نہیں کر سکتے۔ شراکت کے نظام میں مکمل ذمہ داری ہونی چاہیے۔"[2]

تیسری صورت کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ،

"تیسری شکل یہ ہے کہ سرمایہ کسی اور کا ہے اور کام کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے۔ اس شکل کو بھی شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں بھی سرمایہ دار محض اپنے سرمائے سے نفع حاصل کرتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اصل تحفظ محنت کو حاصل ہے، سرمائے کو نہیں۔ اگر نقصان ہوتا ہے تو مکمل طور پر وہ شخص برداشت کرے گا جس نے سرمایہ لگایا ہے۔ اس تصور سے سرمایہ ذہنیت کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی سرمایہ دار یہ کام کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔"[3]

لہذا یہ بات واضح ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جس میں سود، جوا اور جاگیر داری جیسے عوامل ہوں معیشت میں بگاڑ پیدا کرتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد اسلام کے نظریہ اشتراک کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ جس کے اسلامی ریاست کی معیشت پر منفی اثرات نہیں ہوتے بلکہ مثبت اثرات ہوتے ہیں اور اسلامی ریاست کے استحکام میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

---

[1] مودودی، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**، ص66

[2] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، ص122

[3] ایضاً، ص122

(۳) سودی نظام کا خاتمہ

سود معاشی نظام میں بگاڑ پیدا کرتا ہے جس کا ریاست کے استحکام میں برا اثر پڑتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"دور حاضر میں یہ حقیقت بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ سود ایک شدید معاشی برائی ہے۔ اس کے برے اثرات و نتائج انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں سامنے آئے ہیں۔ گویا سود اپنے اندر روحانی و اخلاقی، معاشی و تمدنی، سیاسی اور معاشی نقصانات لیے ہوئے ہے۔"[1]

مولانا مودودی سود پر تبصرہ کرتے ہیں کہ سودی کاروبار کی وجہ سے انسان میں خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے۔ خود غرضی کی وجہ سے انسان کے اندر انسانیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"جس معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں کوئی اپنی ذاتی غرض اور ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے۔ ایک کی حاجت مندی دوسرے کیلئے نفع اندوزی کا موقع بن جائے اور مال دار طبقوں کا مفاد نادار طبقوں کے مفاد کی ضد ہو جائے، ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اس کے اجزاء ہمیشہ انتشار و پراگندگی ہی کی طرف مائل رہیں گے۔"[2]

سود کے گہرے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ مزید اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ سود معاشرے میں غریب اور متوسط طبقے کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ جب کسی غریب یا متوسط طبقہ کے فرد کو قلیل معاش کی وجہ سے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے تو سود کی وجہ سے وہ قرض بڑی مقدار میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اہل ثروت طبقہ خود غرض بن کے غریب اور متوسط طبقہ کا معاشی قتل کر دیتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"یہ وہ بلائے عظیم ہے جس میں ہر ملک کے غریب اور متوسط الحال طبقوں کی بڑی اکثریت بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے قلیل المعاش لوگوں کی آمدنی کا بڑا حصہ مہاجن لے جاتا ہے۔ شب و روز کی انتھک محنت کے بعد جو تھوڑی سی تنخواہیں یا مزدوریاں ان کو ملتی ہیں ان میں سے سود ادا کرنے بعد ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ وہ دو وقت کی روٹی چلا سکیں۔ یہ چیز ان کے اخلاق کو بگاڑتی ہے اور ان کو جرائم کی طرف دھکیلتی ہے۔"[3]

---

[1] طاہر القادری، **اقتصادیات اسلام**، ص304

[2] مودودی، **سود**، ص76

[3] ایضاً، ص76

ڈاکٹر طاہر القادری فرماتے ہیں کہ متوسط طبقہ کو سود کے گہرے اثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سود ایسے مسائل کو جنم دیتا ہے کہ جس سے عوام الناس میں غریب اور متوسط طبقہ بدحالی کا شکار ہوتا ہے۔ جس سے اسلامی ریاست اندرونی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ،

"سود کے اہم معاشی نقصانات میں غریب طبقہ کی مصیبت میں اضافہ، عوام الناس کی قوت خرید میں کمی، اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ، ارتکاز دولت، گردش دولت میں کمی، تجارتی چکر اور کساد بازاری، قرض حسنہ کا خاتمہ، وسیع پیمانے پر معاشی استحصال، سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی، بیروزگاری میں اضافہ اور تعیشات اور عیش پرست زندگی شامل میں جس سے سماجی برائیاں جنم لیتی ہیں۔"[1]

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر طاہر القادری دیگر مفکرین کی نسبت سود کے بھیانک اثرات کو عالمی تناظر میں زیادہ دیکھتے ہیں۔ سود بہت سے جرائم کو جنم دے کر معاشرتی نظام میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے جس سے ریاست معاشرتی اور معاشی طور پر عدم استحکام شکار ہو جاتی ہے۔ آپ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"مختلف ممالک اپنا نظام مملکت چلانے کیلئے معاہدات کرتے ہیں۔ جن میں معالی امداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت ،خود غرضی، عناد اور حسد ور قابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ سود کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں اس لئے مقروض ملک کی رعایا میں قرض خواہ ملک کیلئے نفرت و حقارت کے جذبات سر اٹھانے لگتے ہیں۔ جس کا اثر نتیجہ جنگ اور امن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔"[2]

سود کو معیشت میں ناسور کی حیثیت ہے جو ریاست کو آہستہ آہستہ تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ غریب طبقہ کا استحصال ہوتا ہے اور امیر طبقہ دن بہ دن امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے سود کے نظام کا خاتمہ ضروری ہے۔

---

[1] مودودی، سود، ص306

[2] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول وضوابط**، ص305

(۴) مروجہ بینکاری کا نظام ریاست میں عدم استحکام کا سبب

منتخب مفکرین مروجہ بینکاری کے نظام کو ریاست میں عدم استحکام کا اہم سبب گردانتے ہیں۔اسلام کے نظم معیشت نے بینکاری کے نظام کو رد نہیں کیا۔ کیونکہ یہ موجودہ زمانے کی تمدنی زندگی اور کاروباری ضروریات کیلئے مفید ہے بلکہ اس میں غیر شرعی عناصر کی مخالفت کی ہے جس نے اس کو گندا کر رکھا ہے۔ مولانا مودودی اس موضوع پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" بینکنگ کی ساری خوبیوں اور منفعتوں کو سودی نظام نے الٹ کر پورے تمدن کے لئے برائیوں اور مضرتوں سے بدل دیا ہے۔ سودکش سے جو سرمایہ کھچ کھچ کر بینکوں میں مرتکز ہوتا ہے وہ عملاً چند خود غرض سرمایہ داروں کی دولت بن کر رہ جاتا ہے جسے وہ نہایت دشمنِ اجتماع طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ان خرابیوں کو اگر دور کیا جائے تو بینکنگ ایک پاکیزہ کام بھی ہو جائے گا۔"

ڈاکٹر محمود احمد غازی بینکنگ کے سودی نظام کے بدلے مشارکہ اور مضاربہ کو نظریہ پیش کرتے ہیں۔آپ کے نزدیک اگر مشارکہ اور مضاربہ کو بینکنگ میں عمل میں لایا جائے تو بینکنگ اچھا نظام ہو سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"دراصل سود کے خاتمے کے بعد اس کا حقیقی، اصلی اور مستقل طور پر قابل عمل متبادل مشارکہ اور مضاربہ ہی ہیں۔ تجارت اور سرمایہ کاری کے باب میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان فقہاء نے جو دو اہم ادارے تشکیل دیے ہیں وہ مشارکہ اور مضاربہ ہی کے تھے۔"[1]

موجودہ بینکنگ نظام نہ صرف ریاست کے معاشی نظام میں عدم استحکام پیدا کرتا ہے بلکہ معاشرہ کو بھی برے طریقے سے متاثر کرتا ہے۔ جس پیسے پر اللہ تعالیٰ نے حقدار کے حقوق رکھے تھے سود کی لالچ میں لوگ بینکوں میں رکھوا دیتے ہیں۔ جس سے وہ پیسہ زکوۃ، صدقہ اور خیرات سے بچ جاتا ہے۔اس پیسے پر اللہ تعالیٰ معاشرے کے جن حقدار کے حقوق بتائے تھے ادا نہیں ہوتے۔ جس سے معاشرہ میں عدم استحکام جنم لیتا ہے۔ لہذا بینک کے نظام سے اگر سودی نظام نکال دیا جائے تو یہ پیسہ معاشرے میں گردش کرے گا۔ جس سے کاروبار کو فروغ ملے گا۔ سودی نظام کو اگر بینکنگ سے نکال دیا جائے تو لوگ اپنا پیسہ نہیں رکھیں گے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا نظریہ شراکت و مضاربت قابل فائدہ نہیں ہے۔اس پر مولانا مودودی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ انسداد سود کے بعد بینکوں میں سرمایہ اکھٹا ہونا ہی بند ہو جائے گا وہ غلطی پر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں جب سود ملنے کی توقع کی نہ ہو گی تو لوگ کیوں اپنی فاضل آمدنیاں بینک میں رکھوائیں گے۔ حالانکہ اس وقت سود کی نہ سہی، نفع کی ملنے کی توقع ضرور ہو گی۔"[1]

---

[1] غازی، محمود احمد، حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، ص67

موجودہ بینکنگ کے نظام میں بینک میں موجود سرمایہ سے کاروبار کرنے کی صورت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ سرمایہ داروں کے حصہ میں جاتا ہے۔ جس سے صرف ایک مخصوص طبقہ نفع پر قابض ہو رہا ہے۔ جبکہ حامل سرمایہ کو منتخب سود کی شرح کے مطابق نفع دیا جاتا ہے۔ اسلامی بینکنگ کے نظام میں بینک میں موجود سرمایہ سے کاروبار کرنے کی صورت میں حامل سرمایہ کو نفع میں سے پورا حصہ ملتا ہے اور تمام بینکوں کو بیت المال یا اسٹیٹ بینک کنٹرول کرتی ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

> "رہ گیا بینکنگ کا یہ نقصان کہ نفع کی کشش سے جو سرمایہ ان کے پاس اکٹھا ہوتا ہے اسکی مجتمع طاقت پر عملاً صرف چند ساہوکار قابض و متصرف ہوتے ہیں تو اس کیلئے ہم کو یہ کرنا ہوگا کہ مرکزی ساہوری کا سارا کام بہت المال یا اسٹیٹ بینک خود اپنے ہاتھ میں رکھے اور قوانین کے ذریعے سے تمام پرائیویٹ بینکوں پر حکومت کا اقتدار اور دخل وضبط اس حد تک قائم کر دیا جائے کہ ساہوکار اپنی مالیاتی طاقت کا بے جا استعمال نہ کر سکیں۔"[2]

جدید بینکاری نظام سرمایہ دارانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس استحصالی نظام میں محنت کے بجائے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس نظام میں سرمایہ ہی بطور سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں earning agent بنتا ہے اور سودی لین دین اس کا جز لاینفک ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں سرمایہ کے بجائے محنت کو تحفظ حاصل ہے۔ قرض کے معاملے میں سودی لالچ کے بجائے اسلام کی عظیم اخلاقی قدروں کا رواج ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سمجھتے ہیں کہ کچھ موجودہ مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادیں حیلے میں پیوستہ ہیں۔ فقہی حیلوں سے اس نظام کا جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "بیع مؤجل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آپ کوئی چیز نقد رقم ادا کر کے لیں تب تو مثلاً آپ سے ۱۰۰ روپے قیمت وصول کی جائے گی۔ لیکن اگر آپ قیمت سال بھر کے بعد ادا کریں تو قیمت مثلاً ۱۲۰ روپے وصول کی جائیگی۔ ہمارے پاس اس کے جواز کا بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ عرض کروں گا عقل اور منطق کے استدلال سے اس میں سود میں کیا فرق ہے؟ وہ چیزیں جو بازار میں نقد قیمت پر دستیاب ہیں ان کو اگر آپ قسطوں پر لیں اور قیمت زیادہ ادا کریں، تو قیمت میں جو اضافہ ہے اسے سود کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ عجیب بات ہے کہ اس جواز کا کوئی معین فتویٰ بھی نہیں ہے۔ بس ایک عبارت کہیں سے نکلی ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح پر ہیں 'کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کا رواج ہے'۔ اب اس عبارت کو لیکر ہمارے ہاں قسطوں کا جو سارا کاروبار ہو رہا ہے اس کا جواز ڈھونڈا جا رہا ہے۔ اسی طرح مختلف فقہی حیلوں سے بیع مؤجل کے جواز کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔"[3]

---

[1] مودودی، سود، ص149

[2] ایضا، ص149

[3] اسرار احمد، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، ص135

لہذا موجودہ بینکنگ کے نظام کے ذریعے معیشت ہمیشہ عدم استحکام کا شکار رہتی ہے۔ اسلام کا نظم معیشت جو بینکنگ کا نظام پیش کرتا ہے اس کے ذریعے اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچایا جا سکتا ہے۔

(۵) اکتساب مال

اسلامی ریاست کی مستحکم معیشت کا انحصار رعایا کے اکتساب پر منحصر ہے۔ اگر اکتساب جائز طریقوں سے صحیح معنٰی میں کیا جائے تو معیشت عدم استحکام کا شکار نہیں ہوتی۔ اگر ناجائز ذرائع سے اکتساب مال کیا جائے تو معیشت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ اسلام کمائی کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز کرتا ہے۔ یہ امتیاز اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے وہ تمام طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص کے نقصان پر مبنی ہو۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

> "معاشی معاملات میں جائز اور ناجائز، حلال و حرام کی اساس یہ ہے کہ وہ تمام ذرائع جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری، سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو، وہ تمام وسائل اور ذرائع شریعت میں ممنوع اور خلاف قانون ہیں۔"[1]

اسلام اکتساب مال کیلئے انہی ذرائع کو اپنانے کا حکم دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ مولانا مودودی کے مطابق انسان خود سے اکتساب مال کے ذرائع منتخب نہیں کر سکتا۔ انسان خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اکتساب مال کے معاملے میں آزاد ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "اسی بنیاد پر قرآن یہ اصول قائم کرتا ہے کہ انسان ان ذرائع کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں نہ تو آزاد ہے ہونے کا حق رکھتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے خود حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے حدود وضع کر لینے کا مجاز ہے۔ بلکہ یہ حق خدا کا ہے کہ اس کیلئے حدود مقرر کرے۔"[2]

لہذا یہ واضح ہوتا ہے کہ ناجائز ذرائع مال سے معاشی نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ رعایا ناجائز ذرائع سے اکتساب مال سے اجتناب کرے۔

---

[1] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول و ضوابط**، ص 217

[2] مودودی، **معاشیات اسلام**، ص 71

(ب): نظم عدل وانصاف میں علماء و مفکرین کی آراء کا تقابل

اسلامی ریاست کے استحکام میں نظم عدل و انصاف کے کردار پ مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(ا) ریاست کا استحکام قانون کی بالا دستی پر مبنی

اسلامی ریاست میں اسلام کا نظمِ عدل و انصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ریاست میں قانون کی بالادستی ہونی چاہیے۔اگر قانون کی بالادستی کو غیر یقینی بنایا جائے تو ریاست عدم استحکام شکار ہو جاتی ہے۔امین احسن اصلاحی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> "دنیا کی ہر چھوٹی بڑی ریاست کا حکمران خواہ صدر ہو یا حکومت کا جز قانون سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اور اس کی ذات کے خلاف کسی عدالت میں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسلام میں اوروں کا تو کیا ذکر، خود پیغمبر کو یہ درجہ حاصل نہیں کہ قانون کے معاملے میں عام مسلمانوں سے اس کا مقام کچھ نمایاں ہو۔اگر عام مسلمانوں سے اس کا درجہ اونچا ہے تو اس پہلو سے ہے کہ وہ اول المؤمنین اور اول المسلمین یعنی سب سے پہلے ایمان لانے والا اور قانون کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہے۔"[1]

امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست میں قانون کی عدم بالادستی کی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ ریاست میں امیر اور غریب کیلئے دو الگ الگ قانون ہی اصل میں ریاست میں عدم استحکام کو جنم دیتے ہیں۔

> "خیانت و بے ایمانی اور ظلم و زیادتی کا جرم اگر ایک عام شہری سے سرزد ہو تو عام قانون کے تحت وہ فوراً پکڑا جائے، حوالات بھگتے اور ملک کے عام عدالتی نظام کے فیصلوں کے تحت جیل کی ہوا کھائے لیکن اگر وہی جرائم اس سے بہت بڑے پیمانے پر اور اس سے کہیں زیادہ دوررس نتائج کے ساتھ، حکومت کی کرسی پر بیٹھنے والے کسی وزیر یا گورنر صاحب سے صادر ہوں تو حکومت کی منظوری کے بغیر ملک کی کسی بڑی سے بڑی عدالت کو بھی حکومت کو اس چہیتے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا حق نہیں اسلامی ہے۔"[2]

مولانا مودودی ریاست کے شہریوں کے دلوں میں زبردستی قانون کا احترام ڈالنے کے حق میں نہیں ہیں۔آپ کے مطابق اسلام کا نظم عدل و انصاف لوگوں کے دل میں خوف الہیٰ اور محبت الہٰی کی وجہ سے قانون کا احترام پیدا کرتا ہے۔جس کی وجہ سے افراد قانون کا زبردستی احترام نہیں کرتے بلکہ خشیت الہٰی اور محبت الہٰی انہیں قانون کا احترام سکھا دیتی ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص125

[2] ایضا، ص126

"قانون کے احترام کے معنٰی کسی دباؤ یا خوف کی وجہ سے اس کی پابندی کرنے کے نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خارجی دباؤ کے بغیر آدمی کا دل اس کا احترام اور پابندی کرنے پر آمادہ ہو۔ قانون کے تقدس کا تصور اس قدر ذہنوں میں راسخ ہو کہ لوگ اس کی پابندی اس وقت بھی کریں جب کہ اگر وہ اس کو توڑنا چاہیں تو کوئی انہیں دیکھنے والا نہ ہو۔ وہ اس جگہ بھی اس کا احترام اپنے دل کے جذبے سے کریں جہاں کوئی پولیس اور سی آئی ڈی دیکھنے اور پکڑنے والا موجود نہ ہو۔"[1]

بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر ریاست میں قانون کی بالاتری نہ ہو تو ریاست عدم کا استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے قانون کی بالاتری کو ترجیح دیتا ہے۔

(۲) بلاامتیاز انصاف کی فراہمی

مولانا مودودی بلاامتیاز انصاف کی فراہمی کو رنگ ونسل اور اعلیٰ وادنی تک محدود رکھتے ہیں۔ مولانا مودودی بلاامتیاز انصاف کی فراہمی پر تبصری کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔

"جس قاعدہ پر اس ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی یہ تھا کہ قرآن وسنت کا دیا ہوا قانون سب کیلئے یکساں ہے اور اس کو مملکت کے ادنی ترین آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے۔ کسی کیلئے بھی اس میں امتیازی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"[2]

رنگ ونسل وزبان کے تفرق کے بغیر انصاف فراہم کرنے کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"تمام مسلمانوں کے حقوق بلالحاظ رنگ ونسل وزبان ووطن بالکل برابر ہیں۔ کسی فرد، گروہ ،طبقے یا نسل وقوم کو اس ریاست کے حدود میں نہ امتیازی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور نہ کسی کی حیثیت کسی دوسرے کے مقابلے میں فروتر قرار پاسکتی ہے۔"[3]

اسلامی ریاست میں شہریوں کے مابین رنگ ونسل، قومیت اور علاقائیت کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک اپنایا جائے تو ریاست کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کو عدم استحکام کا شکار ہونے سے بچانے کیلئے ریاست میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے اجتناب کرنا ہوگا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

---

[1] مودودی، **تفہیمات**، ص207

[2] مودودی، **خلافت وملوکیت**، ص63

[3] ایضاً، ص65

"اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شریف ہو یا وضیع، امیر یا مامور، قانون کی نظر میں بالکل مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شخص اور ہر طبقہ بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہے۔ نہ مختلف طبقات کیلئے قانون کی نوعیت میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے نہ غربت و امارت یا اس قسم کی کسی اور وجہ کی بنا پر قانون کے اجراو نفاذ میں کوئی فرق واضح ہو سکتا ہے۔"[1]

لیکن امین احسن اصلاحی اس کے علاوہ ایک اور نظریہ پیش کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں ہر شہری کو بے معاضہ انصاف ملنا ضروری ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی ریاستوں میں انصاف کی بلامعاوضہ فراہمی غیر یقینی ہے کیونکہ وکلاء کی بھاری فیس صرف اہل ثروت ہی برداشت کر سکتے ہیں اور یوں انصاف صرف اہل ثروت تک ہی محدود رہ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی ریاستیں عدم استحکام کا شکار ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"یہی دعویٰ اس زمانے کی جمہوری حکومتیں بھی کرتی ہیں لیکن انہوں نے انصاف حاصل کرنے کیلئے جو نظام بنائے ہیں وہ ایسے بنائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے اگر انصاف حاصل کر سکتے ہیں تو وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کی قیمت ادا کرنے کیلئے نہایت وسیع وسائل وذرائع رکھتے ہوں۔ بے اثر و بے وسیلہ لوگوں کے لئے ان کے اندر انصاف حاصل کر سکنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔"[2]

آپ اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ اگر اسلامی ریاست میں انصاف کی فراہمی کے عوض معاوضہ طلب نہ کیا جائے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر شہری کو ہر قسم کے ظلم و تعدی سے بچائے اور اس امر کا انتظام کرے کہ کوئی شخص غریب ہو یا امیر، بے اثر ہو یا باثر، یکساں طور پر بغیر کوئی قیمت ادا کئے انصاف حاصل کر سکے۔"[3]

اسلامی ریاست میں بلاامتیاز عدل وانصاف کی فراہمی پر زور دیتے ہیں۔ ریاست میں انصاف کی فراہمی بغیر کسی معاوضہ کے یقینی بنائی جائے۔ وکلاء کی اتنی بھاری فیسیں ختم کی جائیں اور سرکار کی جانب سے ان کیلئے ایک مقرر معاوضہ ہوتا کہ ریاست کا ہر باشندہ ان تک رسائی حاصل کر سکے۔ ورنہ دوسری صورت میں انصاف صرف اہل ثروت تک محدود رہ جائے گا۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص125

[2] ایضا، ص139

[3] ایضاً، ص138

(۳) معاشی عدل کے ذریعے ریاست کا استحکام

مسلم مفکرین عدل وانصاف کو صرف معاشرتی معاملات تک محدود نہیں سمجھتے بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں عدل انصاف کی یقین دہانی پر زور دیتے ہیں۔۔ اسلام کا نظم عدل و انصاف ریاست میں معاشی عدل کے قیام کی تعلیمات دیتا ہے۔دوسرے نظام کی طرح معاشی عدل کا نعرہ لگا کر لوگوں کا معاشی قتل نہیں کرنا چاہتا ہے۔معاشرے کے ہر فرد کو معاشی آزادی دینے کے ساتھ ساتھ اس پر معاشرے کے حقوق بھی نافذ کرتا ہے تاکہ ریاست معاشی ناانصافی کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار نہ ہو۔ مولانا مودودی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

> "در حقیقت یہ ظلم اجتماعی کی وہ بدترین صورت ہے جو کبھی کسی نمرود، کسی فرعون اور کسی چنگیز خان کے دور میں بھی نہ رہی تھی۔ آخر ان چیز کو کون صاحب عقل اجتماعی عدل سے تعبیر کر سکتا ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص بیٹھ کر اپنا ایک اجتماعی فلسفہ تصنیف کر لیں پھر حکومت کے غیر محدود اختیارات سے کام لے کر اس فلسفے کو زبردستی ایک پورے ملک میں رہنے والے کروڑوں افراد پر زبردستی مسلط کر دیں۔ لوگوں کے اموال ضبط کریں، زمینوں پر قبضہ کریں کارخانوں کو قومی ملکیت بنائیں اور پورے ملک کو ایک ایسے جیل خانے میں تبدیل کر دیں جس میں تنقید ،فریاد، شکایت، استغاثے اور عدالتی انصاف کا ہر دروازہ لوگوں کیلئے مسدود ہو۔"[1]

اس کے برعکس اسلام ریاست میں لوگوں کو معاشی عدل فراہم کرتا ہے۔ ہر فرد آزادی سے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ حلال وحرام ذرائع کا خیال کرتے ہوئے مال کما سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پر معاشرے کی ذمہ داریاں عائد کر دی گئی ہیں جس سے معاشرے میں معاشی عدل برقرار رہتا ہے۔ مولانا مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> "اسلام میں اللہ تعالیٰ نے خود وہ حدود قائم کر دیے ہیں جن میں افراد کی آزادی کو محدود ہونا چاہیے۔ اس نے خود متعین کر دیا ہے کہ ایک فرد مسلم کیلئے کون کون سے افعال حرام ہیں جن سے ان کو بچنا چاہیے اور کیا کچھ اس پر فرض ہے جسے اس کو ادا کرنا چاہیے۔ کیا حقوق اس کے دوسروں پر ہیں اور کیا حقوق دوسروں کے اس پر ہیں۔ کن ذرائع سے ایک مال کی ملکیت کا اس کی طرف منتقل ہونا جائز ہے اور کون سے ذرائع ایسے ہیں جن سے حاصل ہونے والے مال کی ملکیت جائز نہیں ہے۔ افراد کی بھلائی کیلئے مجتمع پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور مجتمع کی بھلائی کیلئے افراد پر

---

[1] مودودی، **تفہیمات**، ج3، ص145

خاندانوں اور برادریوں پر اور پوری قوم پر کیا پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں اور خدمات لازم کی جاسکتی ہیں۔"[1]

سودی نظام وہ طریقہ ہے جو عدم مساوات پر قائم ہے۔ سودی لین دین کی وجہ سے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کی لت لگ جاتی ہے۔ انسانی زندگی کی کامیابی لاتعداد دولت حاصل کرنے میں نظر آنے لگتی ہے جسکے نتیجے میں ایسی ہی دوڑ کا آغاز جاتا ہے جس میں ہر انسان تمام جائز و ناجائز طریقہ کار کا استعمال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں۔

"اسلام نے اپنے نظام معیشت میں سود کی جڑ کاٹ دی ہے۔ زنا، شراب غرض کسی بھی برائی کے بارے میں قرآن مجید نے اتنا سخت لہجہ اختیار نہیں کیا جتنا کے سود کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ اگر ہم سودی لین پر غور کریں تو اس میں انسانیت کے کام آنے کے جذبہ کم اور ذاتی منفعت کا خیال زیادہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سود لینا شقاوت قلبی، سنگدلی اور بے رحمی بھی ہے۔"[2]

لہذا اسلامی ریاست میں افراد کا فرض ہے کہ وہ ایسے افعال سے اجتناب کریں جس سے معاشرے میں لوگوں کا معاشی قتل ہو بلکہ جہاں اسلام نے فرد کو معاشی آزادی دی ہے تو وہاں اس پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں کہ وہ ریاست میں معاشی عدل قائم کرنے میں معاونت کرے۔ محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں۔

"اسلام اس امر کو گوارا نہیں کرتا کہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد فاقہ کشی، تنگدستی اور بے روزگاری میں مبتلا ہو اور حکومت یا معاشرہ اس کی امداد کا کوئی نظام نہ کرے۔ اسی لئے اسلام معاشی امور میں ہر شخص کو ضرورت معاش دلانے کا بندوبست کرتا ہے اور معذوروں، بیواؤں، یتیموں اور ناکارہ افراد کے معاشی حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔"[3]

اسلامی نظام معیشت ہی ہے ایسا نظام ہے جو معاشی برائیوں کو دور کر کے ریاست میں معاشی عدل کا قیام کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم دور حاضر میں رائج کردہ معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالیں جو ہماری معاشی ضروریات کو پورا کر سکے اور ہمارے تمدن، ہماری اقدار حیات

---

[1] ایضاً، ص148

[2] اسرار احمد، **اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل**، ص53

[3] محمد مظہر الدین صدیقی، **اسلام کا معاشی نظریہ**، ص31

اور ہمارے نظریے زندگی کے مطابق ہو۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ نیا نظام ہوگا؟ نہیں بلکہ ہماری یہ ضروریات صرف اسلامی نظام معیشت ہی پوری کر سکتا ہے۔"[1]

مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار احمد اور ڈاکٹر طاہر القادری کی آراء سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ریاست میں معاشی عدل قائم کر کے ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کی تعلیمات پر زور دیتے ہیں۔اس لئے اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے معاشی عدل کا ہونا ضروری ہے۔

(ج): نظم دفاع پر علماء و مفکرین کی آراء کا تقابلی جائزہ

(ا) بیرونی دشمن کے خطرات سے ریاست کا دفاع

مسلم مفکرین کی آراء کے مطابق اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے ریاست کے بیرونی دشمن سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت کا ہونا بہت اہم ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ریاست کا بیرونی خطرات سے دفاع کرتے وقت دشمن سے پہلی ہی صورت میں جنگ نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے سرنڈر کرنے پر مجبور کرنا چاہیے۔اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے جنگ کرنی چاہیے۔آپ لکھتے ہیں۔

"اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو نیست و نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا۔"[2]

ڈاکٹر حمید اللہ اس پر مزید تبصرہ کرتے ہیں کہ قریش اسلامی ریاست کے مخالف تھے اور پے درپے حملہ کر کے اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی کوشش کرنے میں تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے ان کو بالکل نیست و نابود کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان پہ اپنی دھاک بٹھائے رکھی۔ جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام امن کا داعی ہے۔ریاست کے دفاع میں اول کوشش یہ ہوتی ہے کہ دشمن پہ دھاک بٹھا کے اسے سرنڈر کرنے پر مجبور کیا جائے۔اگر باز نہ ئے تو ریاست کا دفاع کرتے ہوئے اسے ختم کر دینا چاہیے۔آپ لکھتے ہیں۔

"حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جنگوں سے جو سبق ملتا ہے کہ اور مختلف ہدایات جو آپ نے وقتاً فوقتاً دی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب جنگ کی نوبت آجائے تو اس کا ہدف زیادہ سے زیادہ دشمن کا قتل عام نہ ہونا چاہیے بلکہ ہدف یہ ہونا چاہیے کہ کم سے کم خون بہایا جائے اور کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ دشمن کی قوت کو توڑ دیا جائے تا کہ جو قوتیں اسلام کے

---

[1] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول**، ص 15-14

[2] حمید اللہ، **خطبات بہاولپور**، ص 210

خلاف کھڑی ہیں وہ اسلام کے مقابلے کیلئے آئندہ پھر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہیں اور اسلام کے راستے میں آگے چل کر پھر کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں۔"[1]

اسلام کا نظم دفاع ریاست کو آنے والے بیرونی خطرات سے محفوظ کرتا ہے۔ اور ریاست بیرونی خطرات کیلئے خود کو ہمہ وقت تیار نہ رکھے تو اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسلامی نظریہ دفاع ریاست کو بیرونی خطرات سے بچا کر اس کے نہ صرف مستحکم رکھتا ہے بلکہ اس کے وجود کو مٹنے بھی نہیں دیتا۔

(۲) ریاست میں موجود شر پسند عناصر کا خاتمہ

ریاست میں کچھ ایسے شر پسند عناصر رہتے ہیں جو ظاہر ریاست کی اتباع کرتے ہیں مگر ان کی حرکات یہ ہوتی ہیں کہ ہر وقت مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔ طرح طرح سے انہیں نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ یہ گروہ اسلامی ریاست میں فساد پھیلاتا ہے، قتل غارت کا بازار گرم کرتا ہے اور امن وامان میں خلل برپا کرتا ہے۔ مولانا مودودی ریاست میں شر پسند عناصر کے خلاف جنگ کرنے کی رائے رکھتے ہیں جو ریاست کے امن کو سبوتاژ کرتے ہیں۔ تاکہ ریاست کا امن برقرار رہے اور ریاست عدم استحکام سے محفوظ رہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "جو لوگ مسلمانوں سے عہد کر کے توڑ دیں ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہیے۔ اس حکم میں وہ کفار بھی آجاتے ہیں جو مسلمانوں سے اطاعت کا معاہدہ کر کے پھر حکومت اسلامیہ سے بغاوت کریں۔ جن سے معاہدہ تو ہو مگر ان کا رویہ ایسا مخالفانہ ومعاندانہ ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر وقت ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ لگا رہے تو انیں علی الاعلان فسخ معاہدہ کا نوٹس دے دینا چاہیے اور اس کے بعد ان کی دشمنی کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ جو لوگ بار بار بدعہدی دغا بازی کریں اور جن کے عہد واقرار کا کوئی اعتبار نہ رہے اور جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں اخلاق و انسانیت کے کسی آئین کا لحاظ نہ رکھیں، ان سے دائمی جنگ کا حکم ہے۔"[2]

اسلامی ریاست میں اگر کچھ شر پسند عناصر جنم لینے لگیں تو پہلے اس شر کو ختم کرنے کیلئے نشر واشاعت کے ذریعے ایسی سوچ کو روکے جو ریاست کے خلاف لوگوں کو بغاوت کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "ریاست جو دراصل قوت نافذہ ہے اور اسلام کے پیغام اور نظریے کی نشر واشاعت اس کی ذمہ داری ہے اس کا کام یہ ہے کہ ان کوششوں کو ناکام بنائے، اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتوں کو

---

[1] ایضاً، ص331

[2] مودودی، **الجہاد فی الاسلام**، ص66

روکے اور افراتفری اور فتنے کو مٹائے۔ ریاست کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اس پیغام کا تحفظ کرے جس کی بنیاد پر وہ وجود میں آئی ہے۔"[1]

لیکن اگر نشر واشاعت کے ذریعے بھی شر پسند عناصر اپنی اصلاح نہ کریں تو ان کا سر کچلنا چاہیے تاکہ ریاست عدم استحکام سے بچے۔ اسلامی ریاست میں قوانین وآئین کی پاسداری لازم ہے۔ کیونکہ یہی قوانین اور آئین ریاست کا اندرونی دفاع کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"بعض اوقات ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ اندر سے کوئی بغاوت اور افراتفری پیدا ہو جائے تو اور اس کا سد باب کرنے کیلئے تلوار اٹھانا پڑے۔ اس طرح کے حالات میں تلوار اٹھانے کی اجازت بھی شریعت نے دی ہے۔"[2]

ڈاکٹر طاہر القادری اپنی کتاب الجہاد الاکبر میں بھی اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے فتنہ و فساد کو ختم کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام میں فتنہ اور اس جیسی دوسری بیماریوں کو ختم کرنے کیلئے ان کے خلاف قدم اٹھانا جائز ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اسلامی ریاست پر امن شہریوں کے جان، مال اور عزت و آبرو کی بھی محافظ ہے۔ فتنہ وفساد ، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خاتمہ ، سرکشی وبغاوت کی سرکوبی، ظلم و بربریت، درندگی، ناانصافی، ناحق انسانی خون ریزی، قتل وغارت گری اور دہشت گردی کے خلاف راست اقدام کرنا انسانی حقوق چارٹر مطابق نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے کہ تاکہ اللہ کی زمین ہر قسم کے فتنہ وفساد سے پاک ہو۔ امن بحال ہو اور قیام عدل کیلئے راہ ہموار ہو جائے۔ معاشرے کو امن وآشتی کا گہوارہ بنانے کیلئے جہاد یعنی قیام امن اور اقامت حق کیلئے جہدِ مسلسل اور عمل پیہم بجالانا ہر مومن پر فرض ہے۔"[3]

لہذا اسلامی ریاست کو اندرونی شر پسند عناصر سے نمٹنے کیلئے سب سے پہلے نشر واشاعت کے ذریعے اس سوچ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے جو ریاست کے اندر شر کا باعث بن رہی ہے۔ اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے جہاد باللسان کے ذریعے ریاست میں موجود فتنوں اور افراتفری کو ختم کرنا چاہیے۔ اگر نشر واشاعت کے ذریعے بھی ریاست اندرونی خطرات پہ قابو نہ پایا جائے تو ان کے خلاف ہتھیار اٹھایا جائے۔

---

[1] محمود احمد غازی، **خطبات بہاولپور**، ص320

[2] ایضاً، ص332

[3] طاہر القادری، **الجہاد الاکبر**، ص24

اسلامی ریاست کو معاشی لحاظ سے عدم استحکام سے بچانے کیلئے عالمی معاشی اداروں کی پالیسیوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ تمام مفکرین داخلی طور پر نظام معیشت کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے سرمایہ دارانہ نظام کو رد کرتے ہیں۔اس کے برعکس اسلام کے پیش کردہ نظام مضاربہ اور مشارکہ کی رائے رکھتے ہیں۔ آپ سودی نظام کے خاتمہ کی آراء رکھتے ہیں۔ مروجہ بینکاری کے نظام کو ریاست کے عدم استحکام میں اہم گردانتے ہیں۔ کیونکہ مروجہ بینکاری نظام سود پر مبنی ہے۔ نظم عدل وانصاف کے حوالے سے یہ آراء رکھتے ہیں کہ ریاست کا استحکام قانون کی بالاتری پر مبنی ہے۔انصاف کی فراہمی کے حوالے سے مذہبی، مسلکی یا قومی تفریق کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ عدل و انصاف کو ریاست کے ہر فرد کے لئے ممکن بنانا چاہیے۔ نظم دفاع کے حوالے سے منتخب مسلم مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کو بیرونی خطرات سے ہمیشہ آگاہ ہونا چاہیے۔اس کے ساتھ ریاست میں موجود شر پسند عناصر سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔اگر ریاست کو بیرونی یا داخلی خطرات کا اندیشہ ہو تو فوراً ضروری اقدامات اٹھانے چاہیے۔

فصل سوم: علماء و مفکرین کا استحکام ریاست پر مشترک اور امتیازی مباحث کا تقابل

فصل سوم

علماء و مفکرین کا استحکام ریاست پر مشترک اور امتیازی مباحث کا تقابل

عورتوں کا ریاستی نظم و نسق میں کردار

اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے مسلم مفکرین کی چند مشترک اور امتیازی مباحث ہیں جس کے ذریعے وہ اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے اپنی آراء پیش کرتے ہیں۔ عورت کا اسلامی ریاست میں سیاست میں کردار پر مولانا مودودی تبصرہ کرتے ہیں۔ آپ عورت کو اسلام کے سیاسی نظام سے خارج سمجھتے ہیں۔ آپ مرد کو عورت پر قوامیت والی آیت اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورت سیاسی امور میں شرکت نہیں کر سکتی۔

> "یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد الرجال قوامون علی النساء کی ٹھیک ٹھیک تفسیر بیان کرتی ہیں اور ان سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ کہ سیاست و ملک داری عورت کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔"[1]

ایک اور مقام پر آپ لکھتے ہیں کہ،

> "سیاست اور ملک داری میں عورت کے دخل کو جائز ٹھہرانے والے اگر کوئی دلیل رکھتے ہیں تو وہ بس یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا دعویٰ لے کر اٹھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ جمل میں نبرد آزما ہوئیں۔ اول تو یہ دلیل اصولاً غلط ہے۔ پھر جس فعل کو اس زمانے میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے غلط قرار دیا تھا اور جس پر بعد میں خود ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نادم ہوئیں، اسے آخر کس طرح اسلام میں ایک نئی بدعت کا آغاز کرنے کی کیلئے دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔"[2]

مولانا مودودی کی طرح امین احسن اصلاحی بھی سیاست و ریاست میں عورت کے دخل داری پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ،

> "ریاست کے انتظام میں عورت کی براہِ راست شرکت سے ریاست کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورت کی فطرت اور سیاست کے مزاج میں فطری طور پر

---

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص532

[2] ایضاً، ص533

نامناسبت ہے۔ عورت کے مزاج میں فعل سے زیادہ انفعال، کسر سے زیادہ انکسار اور تاثیر سے زیادہ تاثر کا غلبہ ہے۔ وہ زود حس بھی واقع ہوئی ہے اور شدید التاثر بھی۔ اس وجہ سے واقعات و حالات سے وہ جلد اثر پذیر ہو جاتی ہے اور اس کا یہ اثر تیز اور شدید بھی ہوتا ہے۔"[1]

لہذا بالا مسلم مفکرین اپنی اس امتیازی بحث کے ذریعے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے ترقی عورت کی سیاست سے علیحدگی پر منحصر ہے۔ اگر عورت سیاسی و انتظامی امور میں مداخلت کرے گی تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو گی۔

مفت وکالت تک رسائی

امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست استحکام کیلئے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ریاست رعایا کے ہر فرد کو انصاف کی فراہمی مفت مہیا کرے۔ اوکلاء کی بھاری بھاری فیسوں کی وجہ سے اہل ثروت ہی انصاف تک رسائی حاصل کرتے ہیں جبکہ متوسط طبقہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ آپ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"یہی دعویٰ اس زمانے کی جمہوری حکومتیں بھی کرتی ہیں لیکن انہوں نے انصاف حاصل کرنے کیلئے جو نظام بنائے ہیں وہ ایسے بنائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے اگر انصاف حاصل کر سکتے ہیں تو وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کی قیمت ادا کرنے کیلئے نہایت وسیع وسائل وذرائع رکھتے ہوں۔ بے اثر و بے وسیلہ لوگوں کے لئے ان کے اندر انصاف حاصل کر سکنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔"[2]

لہذا مسلم مفکر اس بات سے یہ عیاں ہے کہ اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست میں ہر شہری کو بلا معاوضہ عدل وانصاف مہیا کرنے کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اگر انصاف کو معاوضہ کے رحم وکرم پر چھوڑا جائے تو انصاف صرف امراء ہی حاصل کر سکتے ہیں جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلامی نظام عدل وانصاف بغیر کسی معاوضہ کے انصاف مہیا کر کے ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔ بے معاضہ انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اسلامی نظم عدل وانصاف عدلیہ کی آزادی پر زور دیتا ہے۔

استحکام ریاست میں نظم تعلیم کا کردار

اسلامی ریاست کے استحکامیں نظم تعلیم کے کردار پر مسلم مفکرین مشترک آراء رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ آراء موجودہ دور میں مسلم ریاستوں کو درپیش مسائل کا حل مہیا کرتی ہیں۔ اسلام کے تعلیمی نظام کا رعایا میں واحدانیت پیدا کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر محمود احمد غازی اور مولانا مودودی مشترک رائے رکھتے ہیں۔ آپ اس بات پہ زور دیتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں جدید تعلیمی نظام طبقاتی

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص169

[2] ایضاً، ص139

نظام کو جنم دیتا ہے جس سے رعایا احساس کمتری کا شکار ہو کر طبقات میں بٹ جاتی ہے۔یہی طبقاتی نظام نہ صرف معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتا ہے بلکہ اس کے ذریعے ایک مخصوص طبقہ ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر قابض ہو جاتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر محمود احمد غازی اس طبقاتی نظام تعلیم کو رد کرتے ہوئے لکھتے کہ اسلامی نظام تعلیم ہی واحد نظام تعلیم ہے جو طبقاتی نظام کو ختم کر کے رعایامیں واحدانیت پیدا کرتا ہے۔

"طبقوں کی بنیاد پر الگ الگ تعلیمی، دینی اور مذہبی اداروں کا وجود اسلام کے مزاج کے خلاف اور غیر اسلامی ہے۔دینی اور غیر دینی تعلیم کے نظری طور پر جداگانہ تصور ملک وملت کی وحدت اور یک جہتی کے منافی ہے۔اس سے روز آنے والا ہر لمحہ اور ہر صبح طلوع ہونے والا سورج ملک میں دوئی، ثنویت اور افتراق کے جراثیم لے کر آرہا ہے۔اور یہ دوئی سیکولرزم کے فروغ میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے۔"[1]

ایک اور جگہ پر آپ مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

"پاکستان کے قیام کا مقصد ہی اسلام کے احکامات کا نفاذ تھا تو ہمیں لازمی طور پر ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں جن کی اساس ہی اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو۔اسلام میں تو دینی اور دنیاوی تعلیم کے الگ الگ ہونے کا کوئی تصور نہیں اور وہ دین اور دنیا دونوں ضروریات کو پورا کرتا ہے۔جبکہ نظام تعلیم میں موجودہ ثنویت کا نظام ہمیں مغربی سیکولرزم کی طرف دھکیل رہا ہے۔"[2]

مولانا مودودی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تعلیمی نظام میں دین اور دنیا کی تفریق نہیں کرنی چاہیے۔کیونکہ اسلام انسان کو دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے چلنے کی تلقین کرتا ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

"جو چیز ہمیں اپنے نظام تعلیم میں بطور اصول کے پیش نظر رکھنی چاہیے اور اس کی بنیاد پر ہمارا سارا تعلیمی نظام بننا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم دین اور دنیا کی اس تفریق کو ختم کر دیں۔دین اور دنیا کی اس تفریق کا یہ تخیل ایک عیسائی تخیل ہے۔یا بدھ مذہب یا ہندوؤں اور جوگیوں کا ہے۔اسلام کا تخیل اس کے برعکس ہے۔ہمارے لئے اس سے بڑی کو غلطی نہیں ہو سکتی کی ہم اپنے نظام تعلیم میں ،اپنے نظام تمدن میں اور اپنے نظام مملکت میں دین اور دنیا کی تفریق کے اس تخیل کو قبول کر لیں۔ہم اس کے بالکل قائل نہیں کہ ہمارا ایک تعلیم دنیوی ہو ور ایک تعلیم دینی ہو۔اس کے برعکس ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری پوری کی پوری تعلیم بیک وقت دینی بھی ہو اور

[1] محمود احمد غازی، **مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم**، ص20-19

[2] محمود احمد غازی، **دینی مدارس، مفروضے حقائق، لائحہ عمل**، ص73

دنیوی بھی۔دنیوی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو سمجھیں اور دنیا کے سارے کام چلانے کے قابل ہوں اور دینی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو دین ہی کے نقطہ نظر سے سمجھیں اور دین کی ہدایت کے مطابق اس کا سارا کام چلائیں۔"[1]

دین اسلام مذہب اور دنیا کو الگ کرنے کے قائل نہیں بلکہ اسلام نہ دنیا سے الگ ہو کر رہبانیت کا تصور پیش کرتا ہے اور نہ ہی مذہب سے دور ہو کر دنیا کو اپنا کر دنیادار بننے کی تعلیمات دیتا ہے۔اس لئے اسلام نظم تعلیم میں دینی اور دنیاوی علوم کی انفرادیت کو مٹا کر دونوں کو ایک جان کر دیتا ہے۔اگر نظم تعلیم میں دینی اور دنیوی علوم کو الگ کر دیا جائے تو معاشرے کا فرد تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

"علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علیحدگی کے تصور پر مبنی ہے اور یہ تصور بنیادی طور غیر اسلامی ہے۔اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔بلکہ دنیا کو اس نقطہ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں،اور دنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو،اسی چیز کا نام دین ہے۔اس تصور دین کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے ورنہ اگر کچھ علوم دنیوی ہوں اور وہ خدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی رہیں اور کچھ علوم دینی ہوں اور وہ دنیوی علوم سے الگ پڑھائیں جائیں تو ایک بچہ شروع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ پرورش پائے گا کہ دنیا کسی اور چیز کا نام ہے اور دین کسی چیز کا ۔اس لئے یہ دونوں مختلف عنصر ہوں گے اور ان کے درمیان توافق پیدا کر کے ایک ایسی ہموار زندگی بنانا اس کیلئے مشکل ہو گا جو ادخلوا فی السلم کافۃ کی مصداق ہو سکے۔"[2]

لہذا ڈاکٹر محمود احمد غازی اور مولانا مودودی کی آراء سے اخذ ہوتا ہے اسلام کا نظم تعلیم ریاست میں موجود افراد میں واحدانیت پیدا کرتا ہے۔جبکہ موجودہ نظام تعلیم طبقاتی نظام کا جنم دیتا ہے جس سے ریاست میں ناانصافی کا راج ہوتا ہے۔اسلام کا نظم تعلیم ریاست میں واحدانیت کو یقینی بنا کے اس کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔

موجودہ تعلیمی نظام مغربی تہذیب کو فروغ دیتا ہے

ڈاکٹر محمود احمد غازی اور مولانا مودودی یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں تہذیب اسلامی کا پرچار ہو۔رعایا اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کرے۔لیکن موجودہ دور میں اسلامی ریاست کے حالات دیکھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے یہاں مغربی تہذیب پنپنے

[1] مودودی، **تعلیمات**، ص136

[2] ایضاء،ص148

لگی ہے۔ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کے برعکس ہے۔ عفت، حیاء، بے پردگی سے اجتناب اور فحاشی سے انکار اسلامی تہذیب کے عناصر ہیں۔ جبکہ مغربی تہذیب اس کے برعکس ہے۔ مغربی تہذیب کو اپنانے سے اسلامی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسلام کا نظم تعلیم اسلامی تناظر کا لحاظ، مغربی فکر و تہذیب کا رد، تعلیمی ثنویت کا خاتمہ، اور تربیت و تزکیہ کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے جس سے ریاست عدم استحکام سے بچ جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"علوم کی تنقید و تنقیح کے اس عظیم الشان کام کیلئے اب تاریخ ہم کو شاید مزید مہلت نہ دے۔ اگر مستقبل قریب میں ہم کچھ کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو خیر ورنہ اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب کا احیاء ایک خواب و خیال ہو کر رہ جائے گا بلکہ تغیر پیہم کی اس دنیا میں ہمارے لئے اپنا ملی وجود برقرار رکھنا بھی ممکن نہ رہے گا۔"[1]

مولانا مودودی تبصرہ کرتے ہیں کہ لہذا اسلامی نظم تعلیم کا بنیادی مقصد یہی ہونا چاہیے کہ آنے والی نسل میں اسلامی تہذیب کی اقدار کو اجاگر کیا جائے۔ آپ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب کو سمجھتے ہیں اور قومی تہذیب ہمارے دین کے سوا اور کیا ہے؟ ہمارے دین کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں، اس کے اصولوں کو خوب جانتے ہوں اور ان کے برحق ہونے کا خوب یقین رکھتے ہوں۔ اس کے مطابق مضبوط سیرت اور قابل اعتماد اخلاق رکھتے ہوں اور اس قابلیت کے مالک ہوں کہ ہماری اجتماعی زندگی کے پورے خانے کو ہماری اس تہذیب کے اصولوں پر چلا سکیں اور مزید ترقی دے سکیں۔"[2]

مولانا مودودی اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کی بالا آراء سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم اسلامی ریاست میں اسلامی تہذیب کو اجاگر کرتا ہے۔ جبکہ موجودہ تعلیمی نظام مغربی تہذیب کو پنپنے کا موقع دیتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اگر مغربی تہذیب کو پنپنے کا موقع دیا جائے تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ لہذا اسلای ریاست کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی نظام تعلیم کے ذریعے اسلامی تہذیب کو فروغ دیا جائے۔

---

[1] محمود احمد غازی، **محاضرات تعلیم**، ص243

[2] مودودی، **تعلیمات**، ص135

موجودہ دینی تعلیمی نظام فرقہ واریت کا باعث

ڈاکٹر محمود احمد غازی اور مولانا مودودی نہ صرف موجودہ مغربی تعلیمی نظام کو اسلامی ریاست کے عدم استحکام کی وجہ سمجھتے ہیں بلکہ اسلامی ریاست میں مدارس میں موجود فرقہ واریت تعلیمی نظام کو بھی ریاست کے عدم استحکام کی اہم وجہ سمجھتے ہیں۔ موجودہ دور میں مدارس میں محدود تعلیمی نظام نے ریاست میں فرقہ واریت کو جنم دیا ہے۔ بجائے امت کو جوڑنے کا حل پیش کرنے کے مدارس میں خاص کر فرقہ وارانہ مسائل میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔ جس سے مدارس سے فارغ التحصیل معاشرے میں مزید بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس نظم تعلیم کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "یہ ایک حقیقت ہے کہ محدود دینی نظام تعلیم کے تحت جب فرقہ وارانہ مسائل میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے تو مسجد غیر متعلق مسائل کی تعلیم گاہ بن جاتی ہے اور فروعی مسائل کی بنیاد پر اختلاف کو فرقہ وارانہ رنگ دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ مدارس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے مدارس میں پڑھا ہوتا ہے اس کو معاشرہ اور گرد و پیش سے مخالف پاتے ہیں اور ان مسائل کا اطلاق کہاں اور کیسے کیا جائے اس چیز کو سمجھنے سے وہ قاصر ہوتے ہیں۔ لہذا وہ مسائل حل کرنے کے بجائے معاشرے میں ان مسائل کو پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ جن سے عوام کا کوئی دور کا واسطہ نہیں ہوتا اس طرح انہیں الجھا کر رکھ دیا جاتا ہے جس سے معاشرہ میں انتشار، منافرت اور گرہیت پیدا ہوتی ہے۔ اور بجائے عوام کے معاشرتی مسائل حل کرنے کے وہ فروعی مسائل میں پھنسا دیئے جاتے ہیں۔"[1]

مولانا مودودی موجودہ مدرسہ کے تعلیمی نظام کو قدیم زمانے میں سول سروس کا نظام گردانتے ہیں جو مسلمان حکومتوں کی ضروریات کیلئے تجویز کیا گیا تھا۔ انگریزوں کے آتے ہی اس نظام تعلیم کی افادیت ختم ہو گئی لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے اس نظام کو قائم رکھا تاکہ آبائی میراث سے بالکل منقطع نہ ہو جائیں۔ لیکن اس نظام سے فارغ التحصیل طلباء کی افادیت میں معاشرے میں کم ہو گئی تھی اس لئے وہ معاشرے میں کوئی اہم کردار ادا نہ کر سکے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "اس مصلحت سے انہوں نے کسی تغیر و تبدل کے بغیر اسے جوں کا توں برقرار رکھا لیکن جتنے حالات بدلتے گئے اتنی ہی زیادہ اس کی افادیت گھٹتی چلی کیوں کہ اس نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تعلیم پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ

---

[1] محمود احمد غازی، **مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم**، ص20

جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں یا وعظ گوئی کا پیشہ اختیار کریں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تا کہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔"[1]

لہذا ڈاکٹر محمود احمد غازی اور مولانا مودودی کی ان آراء سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں موجود مدارس کا تعلیمی نظام جو کہ تفرقہ بازی پر مبنی ہے ریاست کے عدم استحکام کی اہم وجہ ہے۔ محدود نظام تعلیم سے ریاست میں فرقہ واریت جنم لیتی ہے جس سے ریاست کا استحکام داؤ پر لگ جاتا ہے۔اسلامی نظام تعلیم محدود تعلیم کی منفی کرتے ہوئے اسلامی ریاست کو عدم استحکام سے بچاتا ہے۔

عصری علوم سے دوری

مولانا مودودی اور ڈاکٹر محمود احمد غازی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اسلامی نظام تعلیم طالب علم کو محض دینی علوم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ عصری علوم کو حاصل کرنے کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔اگر ریاست میں تعلیمی نظام کو محض دینی علوم تک محدود رکھا جائے تو ریاستی نظام تباہی کا شکار ہو جائیں گے۔ کیونکہ بہت سے ایسے علوم ہیں جن کا تعلق ریاستی اداروں اور معاشرتی خدمات کے ساتھ ہے۔ موجودہ دور میں ریاست کو مستحکم کرنے کیلیۓ مسلمانوں کو جدید علوم سیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔جیسا کہ ماضی میں مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں اس امر کو پیش نظر رکھا کہ عصری تقاضوں کو سمجھ کر ان کے مطابق حکمت عملی ترتیب دی جائے۔اگر مسلمان جدید علوم کو سیکھنے سے منکر رہے تو اسلامی ریاست تعلیم اور ترقی کے لحاظ سے پسماندہ رہ جائے گی۔اسی موضوع پر ڈاکٹر محمود احمد غازی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "ہمارے ہاں ایک محدود مذہبی طبقے کے نزدیک انگریزی زبان اور جدید علوم سیکھنا حرام اور ناجائز ہے۔لیکن دوسری رائے کو پذیرائی حاصل ہوئی جو وقت کے تقاضا کے مطابق بہت اہم اور درست تھی کہ یونانی علوم سیکھ کر ہی جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ کون سی چیز ناقابل قبول ہے اور غلط ہے۔لہذا ان امور کو دلائل کے ترازو میں تولا جاسکتا ہے لیکن جدید علوم و فنون سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔"[2]

محض دینی علوم پڑھنے سے عالم جدید مسائل کا سمجھ نہیں سکتا اور نہ ہی ان کا حل پیش کر سکتا ہے۔اس لئے اسلامی نظم تعلیم میں دینی علوم پڑھنے کے ساتھ موجودہ علوم پڑھنے کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک طبقہ صرف عصری علوم حاسل کرتا ہے اور دینی علوم سے ناواقف ہے اس لئے وہ اسلام کے مطابق مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔مولانا مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

---

[1] مولانا مودودی، **تعلیمات**، ص128

[2] محمود احمد غازی، **دینی مدارس: مفروضے حقائق، لائحہ عمل**، ص73

"ہمارے ہاں تعلیم ایک کافی مدت سے بڑی ناقص ہو رہی ہے۔ جو لوگ ہمارے ہاں دینی علوم پڑھتے ہیں وہ موجودہ زمانے کے علم السیاست اور اس کے مسائل اور دستوری قانون اور اس سے تعلق رکھنے والے معاملات سے بیگانہ ہیں۔ اس لئے وہ قرآن وحدیث اور فقہ کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے میں تو عمریں گزار دیتے ہیں مگر ان کے لئے اس وقت کی سیاسی ودستوری مسائل کو آج کل کی زبان اور اصطلاحوں میں سمجھنا اور پھر ان کے بارے میں اسلام کے کیا احکام اور اصول ہیں اور کہاں کہاں بیان ہوئے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عملاً ہمارے تمدن و سیاست اور قانون وعدالت کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ زندگی کے جدید مسائل سے تو واقف ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کا دین ان مسائل کے بارے میں کیا رہنمائی دیتا ہے۔ وہ دستور اور سیاست اور قانون کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں مغربی تعلیمات اور مغرب کے عملی نمونوں ہی کے ذریعے جانتے ہیں۔ قرآن وسنت اور اسلامی روایات کے بارے میں ان کے معلومات بہت محدود ہیں۔"[1]

لہذا مولانا مودودی کی آراء سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام کا نظام تعلیم صرف دینی تعلیم تک محدود نہیں بلکہ جدید عصری علوم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور مسلمان علماء نے کئی نئے علوم بھی دریافت کئے۔ قرون اول میں عباسی اور اندلس کے اموی عہد کے مسلمان حکماء، فلاسفہ اور فقہاء نے علوم کے مختلف شعبوں میں گراں قدر اضافے کئے۔ اسی طرح آج کے دور میں بھی اسلامی ریاست کو جدید چیلینجز سے نمٹنے کیلئے عصری علوم کا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

موجودہ تعلیمی نظام

مولانا مودودی بھی اس بات پہ بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موجودہ نظام تعلیم میں جو سیکولر تعلیمی نظریہ ہے وہ انسان کو خدا اور دین اسلام سے دور کر دیتا ہے۔ انسان خدا کی ضرورت کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے خود سے مصنوعی نظام بنا کر اس کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اس نظام کے تحت جو پڑھتے رہے ان کا ذہن قدرتی طور پر بغیر کسی قصور اور اپنے کسی ارادے کے آپ سے آپ اس طرح بنتا چلا گیا کہ وہ دین سے اور دینی نقطہ نظر سے دینی اخلاق سے اور دینی طرز فکر سے روز بروز بعید ہوتے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی تعلیم کے نقطہ آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تعلیم تک دنیا کے متعلق جتنی بھی معلومات حاصل کرے اگر وہ ساری کی ساری خدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی ہو تو اس کے ذہن میں آخر خدا کا اعتقاد کیسے جڑ پکڑ سکتا ہے۔"[2]

---

[1] مولانا مودودی، **اسلامی ریاست**، ص314

[2] مولانا مودودی، **تعلیمات**، ص132-131

موجودہ تعلیمی نظام انسان کو خالق حقیقی کی پہچان کروانے سے قاصر ہے۔ جبکہ اسلامی نظام تعلیم انسان کو خالق حقیقی کی پہچان کرواتااوراس ک معاشرے میں ایک مہذب اور ذمہ دار فرد بناتا ہے۔اس طرح ریاست عدم استحکام کا بھی شکار نہیں ہوتی۔ لہذااسلامی ریاست کوعدم استحکام سے بچانے کیلئے اسلامی نظم تعلیم کواپنانانا گزیر ہے۔

سودی نظام

ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا مودودی اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے معیشت کی بہتری کا اہم گردانتے ہوئے سودی نظام کے خاتمے کے حوالے سے مشترک آراء رکھتے ہیں۔ کیونکہ سود معاشی نظام میں بگاڑ پیدا کرتا ہے جس کا ریاست کے استحکام میں برااثر پڑتا ہے۔ڈاکٹر طاہر القادری اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> "دور حاضر میں یہ حقیقت بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ سود ایک شدید معاشی برائی ہے۔اس کے برے اثرات و نتائج انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں سامنے آئے ہیں۔ گویا سود اپنے اندر روحانی واخلاقی، معاشی وتمدنی، سیاسی اور معاشی نقصانات لیے ہوئے ہے۔"[1]

مولانا مودودی سود پر تبصرہ کرتے ہیں کہ سودی کاروبار کی وجہ سے انسان میں خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے۔ خود غرضی کی وجہ سے انسان کے اندر انسانیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "جس معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں کوئی اپنی ذاتی غرض اور ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے۔ایک کی حاجت مندی دوسرے کیلئے نفع اندوزی کا موقع بن جائے اور مال دار طبقوں کا مفاد نادار طبقوں کے مفاد کی ضد ہو جائے، ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔اس کے اجزاء ہمیشہ انتشار و پراگندگی ہی کی طرف مائل رہیں گے۔"[2]

سود کے گہرے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ مزید اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ سود معاشرے میں غریب اور متوسط طبقے کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ جب کسی غریب یا متوسط طبقہ کے فرد کو قلیل معاش کی وجہ سے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے تو سود کی وجہ سے وہ قرض بڑی مقدار میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اہل ثروت طبقہ خود غرض بن کے غریب اور متوسط طبقہ کا معاشی قتل کر دیتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

---

[1] طاہر القادری، **اقتصادیات اسلام**، ص304

[2] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، **سود**، ص76

"یہ وہ بلائے عظیم ہے جس میں ہر ملک کے غریب اور متوسط الحال طبقوں کی بڑی اکثریت بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔اس کی وجہ سے قلیل المعاش لوگوں کی آمدنی کا بڑا حصہ مہاجن لے جاتا ہے۔شب و روز کی انتھک محنت کے بعد جو تھوڑی سی تنخواہیں یا مزدوریاں ان کو ملتی ہیں ان میں سے سود ادا کرنے بعد ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ وہ دو وقت کی روٹی چلا سکیں۔ یہ چیز ان کے اخلاق کو بگاڑتی ہے اور ان کو جرائم کی طرف دھکیلتی ہے۔"[1]

ڈاکٹر طاہر القادری بھی مولانا مودودی کی طرح یہ رائے رکھتے ہیں کہ متوسط طبقہ کو سود کے گہرے اثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔سود ایسے مسائل کو جنم دیتا ہے کہ جس سے عوام الناس میں غریب اور متوسط طبقہ بدحالی کا شکار ہوتا ہے۔ جس سے اسلامی ریاست اندرونی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ ،

"سود کے اہم معاشی نقصانات میں غریب طبقہ کی مصیبت میں اضافہ ،عوام الناس کی قوت خرید میں کمی،اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ ،ارتکاز دولت ، گردش دولت میں کمی، تجارتی چکر اور کساد بازاری، قرض حسنہ کا خاتمہ ، وسیع پیمانے پر معاشی استحصال، سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی، بیروزگاری میں اضافہ اور تعیشات اور عیش پرست زندگی شامل میں جس سے سماجی برائیاں جنم لیتی ہیں۔"[2]

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر طاہر القادری دیگر مفکرین کی نسبت سود کے بھیانک اثرات کو عالمی تناظر میں زیادہ دیکھتے ہیں۔ سود بہت سے جرائم کو جنم دے کر معاشرتی نظام میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے جس سے ریاست معاشرتی اور معاشی طور پر عدم استحکام شکار ہو جاتی ہے۔آپ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"مختلف ممالک اپنا نظام مملکت چلانے کیلئے معاہدات کرتے ہیں۔ جن میں معالی امداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔اگر ان میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت ،خود غرضی، عناد اور حسد و رقابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔چونکہ سود کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں اس لئے مقروض ملک کی رعایا میں قرض خواہ ملک کیلئے نفرت و حقارت کے جذبات سر اٹھانے لگتے ہیں۔ جس کا اثر نتیجہ جنگ اور امن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔"[3]

---

[1] مودودی، سود، ص76

[2] ایضاً، ص306

[3] طاہر القادری، **اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول و ضوابط**، ص305

لہذا ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا مودودی کی آراء سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپ سود کو معیشت میں ناسور کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جو ریاست کو آہستہ آہستہ تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ غریب طبقہ کا استحصال ہوتا ہے اور امیر طبقہ دن بہ دن امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہے اور ریاست عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے۔ ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے سود کے نظام کا خاتمہ ضروری ہے

اصولی ریاست

مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست کو اصولی ریاست سمجھتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ دونوں کی آراء مشترک ہیں۔ اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے نظام کو الٰہی قوانین کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کے نظام کو چلانے کیلئے بھی اصولی لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کو وہ لوگ نہیں چلا سکتے جنہوں نے اسلامی قوانین کو عملی جامعہ نہ پہنایا ہو۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

> "اسلامی ریاست کو صرف وہ لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں۔ جنہوں اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو۔ جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں، نہ صرف اس میں عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی سپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہوں اور اس کی تفصیلات سے بھی واقف ہوں۔ اسلام نے اس باب میں کوئی جغرافیائی، لونی یا لسانی قید نہیں رکھی ہے۔ وہ تمام انسانوں کے سامنے اپنے دستور اپنے مقصد اور اپنے اصلاحی پروگرام کو پیش کرتا ہے۔ جو شخص بھی اسے قبول کر لے، خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک، کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس ریاست کو چلانے کیلئے بنائی گئی ہے۔ اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے جس کے نظم و نسق کو وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے اصولوں کو مانتے ہوں۔"[1]

امین احسن اصلاحی بھی اس مؤقف کی تائید کرتے ہوئے اسلامی ریاست کے اصولی ہونے پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اسلامی ریاست کوئی قومی جمہوری ریاست نہیں جس میں ملک کا ہر باشندہ حاکمیت میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ ایک اصولی ریاست ہے جس میں ریاست کی تشکیل اور اس کو چلانے کی تمام ذمہ داریاں ان لوگوں پر عائد ہوتی ہیں جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اسلامی ضابطہ حیات کے پابند ہوتے ہیں۔ ان جمہور مسلمین کو بھی حاکمیت حاصل نہیں ہے بلکہ ان کو خدا کی شریعت کی

[1] مودودی، **اسلامی ریاست**، ص148

تنفیذ کرنے اور اس مقصد کیلئے خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود اور اس کے ٹھہرائے ہوئے ضابطوں کے اندر ایک سیاسی نظام کی تشکیل کا حق حاصل ہے۔"[1]

اسلامی ریاست کے استحکام میں نظم عدل وانصاف کے کردار پر علماء و مفکرین میں سے مولانا مودودی، امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر اسرار احمد، محمد مظہر الدین صدیقی اور ڈاکٹر طاہر القادری مشترک اور بعض مقامات پر مختلف آراء رکھتے ہیں۔

قانون کی بالادستی پر مبنی

اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے مسلم مفکرین نے اپنی آراء پیش کی ہیں۔ امین احسن اصلاحی بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اسلام کا نظمِ عدل وانصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ریاست میں قانون کی بالادستی ہونی چاہیے۔ اگر قانون کی بالا دستی کو غیر یقینی بنایا جائے تو ریاست عدم استحکام شکار ہو جاتی ہے۔ آپ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"دنیا کی ہر چھوٹی بڑی ریاست کا حکمران خواوہ صدر ہو یا حکومت کا جز قانون سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اور اس کی ذات کے خلاف کسی عدالت میں دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اسلام میں اوروں کا تو کیا ذکر، خود پیغمبر کو یہ درجہ حاصل نہیں کہ قانون کے معاملے میں عام مسلمانوں سے اس کا مقام کچھ نمایاں ہو۔ اگر عام مسلمانوں سے اس کا درجہ اونچا ہے تو اس پہلو سے ہے کہ وہ اول المؤمنین اور اول المسلمین یعنی سب سے پہلے ایمان لانے والا اور قانون کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہے۔"[2]

امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست میں قانون کی عدم بالادستی کی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ ریاست میں امیر اور غریب کیلئے دو الگ الگ قانون ہی اصل میں ریاست میں عدم استحکام کو جنم دیتے ہیں۔

"خیانت وبے ایمانی اور ظلم وزیادتی کا جرم اگر ایک عام شہری سے سرزد ہو تو عام قانون کے تحت وہ فوراً پکڑا جائے، حوالات بھگتے اور ملک کے عام عدالتی نظام کے فیصلوں کے تحت جیل کی ہوا کھائے لیکن اگر وہی جرائم اس سے بہت بڑے پیمانے پر اور اس سے کہیں زیادہ دور رس نتائج کے ساتھ، حکومت کی کرسی پر بیٹھنے والے کسی وزیر یا گورنر صاحب سے صادر ہوں تو حکومت کی منظوری کے بغیر ملک کی کسی بڑی سے بڑی عدالت کو بھی حکومت کو اس چہیتے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا حق نہیں اسلامی ہے۔"[3]

---

[1] امین احسن اصلاحی، **اسلامی ریاست**، ص27

[2] ایضا، ص125

[3] ایضا، ص126

امین احسن اصلاحی اسلامی ریاست میں قانون کی عدم بالادستی پر تبصرہ کرتے ہیں مگر اس کا حل پیش نہیں کرتے کہ کس طرح ریاست میں قانون کی بالادستی یقینی بنائی جائے۔ مولانا مودودی اس کا حل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام کے نظم عدل انصاف حقیقی طور پر ریاست میں لاگو کرنے سے ہی قانون کی بالادستی یقینی بنے گی۔ مولانا مودودی ریاست کے شہریوں کے دلوں میں زبردستی قانون کا احترام ڈالنے کے حق میں نہیں ہیں۔ آپ کے مطابق اسلام کا نظم عدل وانصاف لوگوں کے دل میں خوف الہیٰ اور محبت الہی کی وجہ سے قانون کا احترام پیدا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے افراد قانون کا زبردستی احترام نہیں کرتے بلکہ خشیت الہی اور محبت الہی انہیں قانون کا احترام سکھادیتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

> "قانون کے احترام کے معنیٰ کسی دباؤ یا خوف کی وجہ سے اس کی پابندی کرنے کے نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خارجی دباؤ کے بغیر آدمی کا دل اس کا احترام اور پابندی کرنے پر آمادہ ہو۔ قانون کے تقدس کا تصور اس قدر ذہنوں میں راسخ ہو کہ لوگ اس کی پابندی اس وقت بھی کریں جب کہ اگر وہ اس کو توڑنا چاہیں تو کوئی انہیں دیکھنے والا نہ ہو۔ وہ اس جگہ بھی اس کا احترام اپنے دل کے جذبے سے کریں جہاں کوئی پولیس اور سی آئی ڈی دیکھنے اور پکڑنے والا موجود نہ ہو۔"[1]

لہذا امین اصلاحی اور مولانا مودودی کی بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر ریاست میں قانون کی بالاتری نہ ہو تو ریاست عدم کا استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسلام کا نظم عدل وانصاف ریاست کو مستحکم کرنے کیلئے قانون کی بالاتری کو ترجیح دیتا ہے۔

بالا بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی کے مطابق اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے اور اس کے نظم ونسق کو الٰہی قوانین کے مطابق چلایا جائے گا۔ اسلامی ریاست کی باگ ڈور کسی عام فرد کے ہاتھ نہیں بلکہ اصولی لوگوں کے ہاتھ میں دی جائے گی۔ مذکورہ مسلم مفکرین اسلامی ریاست کو معاشی لحاظ سے عدم استحکام سے بچانے کیلئے عالمی معاشی اداروں کی پالیسیوں سے بچنے کے حوالے سے مشترک آراء رکھتے ہیں۔ داخلی طور پر نظام پر نظام معیشت کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے سرمایہ دارانہ نظام کو رد کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے پیش کردہ نظام مضاربہ اور مشارکہ کی رائے رکھتے ہیں۔ آپ سودی نظام کے خاتمہ کی آراء رکھتے ہیں۔ مروجہ بینکاری کے نظام کو ریاست کے عدم استحکام میں اہم گردانتے ہیں۔ کیونکہ مروجہ بینکاری نظام سود پر مبنی ہے۔ نظم عدل و انصاف کے حوالے سے یہ آراء رکھتے ہیں کہ ریاست کا استحکام قانون کی بالاتری پر مبنی ہے۔ انصاف کی فراہمی کے حوالے سے مذہبی، مسلکی یا قومی تفریق کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ امین احسن اصلاحی موجودہ انصاف کے نظام کو صحیح عدل وانصاف کا نظام نہیں سمجھتے۔ آپ کے مطابق انصاف صرف امراء تک محدود ہے۔ عدل وانصاف کو ریاست کے ہر فرد کے لئے ممکن بنانا چاہیے۔ نظم دفاع کے حوالے سے منتخب مسلم مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کو بیرونی خطرات سے ہمیشہ آگاہ ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ

---

[1] مولانا مودودی، **تفہیمات**، ص207

ریاست میں موجود شر پسند عناصر سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔اگر ریاست کو بیرونی یا داخلی خطرات کا اندیشہ ہو تو فوراً ضروری اقدامات اٹھانے چاہیے۔ریاست کا استحکام قانون کی بالادستی پر مبنی ہے۔انصاف کی فراہمی کے حوالے سے مذہبی، مسلکی یا قومی تفریق کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔امین احسن اصلاحی موجودہ انصاف کے نظام کو صحیح عدل وانصاف کا نظام نہیں سمجھتے۔آپ کے مطابق انصاف صرف امراء تک محدود ہے۔عدل وانصاف کو ریاست کے ہر فرد کے لئے ممکن بنانا چاہیے۔اسلامی ریاست کو بیرونی خطرات سے ہمیشہ آگاہ ہونا چاہیے۔اس کے ساتھ ریاست میں موجود شر پسند عناصر سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔اگر ریاست کو بیرونی یا داخلی خطرات کا اندیشہ ہو تو فوراً ضروری اقدامات اٹھانے چاہیے۔موجودہ نظام تعلیم مغربی ہے جو کہ مغربی تہذیب کو پنپنے میں مدد دیتا ہے۔منتخب مفکرین اسلامی ریاست میں موجود دین ودنیا کی تفریق پر منحصر نظام تعلیم کو رد کرتے ہیں۔بلکہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ دینی اور عصری علوم میں تفریق کو ختم کیا جائے۔اسلام میں ان دونوں علوم کی کوئی تفریق نہیں۔موجودہ تعلیمی نظام کو خدا کی پہچان سے خالی تصور کرتے ہیں۔مولانا مودودی یہ رائے رکھتے ہیں موجودہ دینی مدارس میں محدود فرقہ وارانہ تعلیم دی جاتی ہے۔جب یہ طلباء مدارس سے فارغ ہو کر معاشرے میں جاتے ہیں تو معاشرے کو اس سے بالکل مختلف پاتے ہیں۔لہذا وہ معاشرے میں مسائل حل کرنے کے بجائے مسائل پیدا کرتے ہیں

خلاصہ بحث

انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔انسان نے مل جل کر رہنے کیلئے معاشرے کو وجود دیا۔مل جل کے رہنے کے اجتماعات بڑھتے بڑھتے چلے گئے تو ریاستیں وجود میں آئیں۔انسان کے اجتماع کی صورت میں رہنے کی ضرورت نے تاریخ میں مختلف ریاستوں کو جنم دیا۔اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کیلئے مذہب انسان کی زندگی کی اولین ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر نازل کیا تو اس کو الہامی تعلیمات سے نوازا۔تاریخ کے اوراق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان ہمیشہ ایک خدا کے تصور پر یقین رکھتا تھا۔لیکن بعد ازاں ایک خدا کے تصور کی صورت کو بگاڑ دیا گیا اور بے شمار خدا بنائے گئے۔لوگ مظاہر قدرت کی پرستش کرنے لگے۔انسانیت اس حالت تک گر گئی کہ حیوانات،اوتان اور آگ کی پرستش کی جانے لگی۔الغرض انسان نے جس کو اپنے لئے فائدہ مند پایا اس کی پرستش شروع کر دی۔

لیکن اسلام کے نقطہ نظر سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اصلاح کیلئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور توحید کی تعلیم بنی آدم تک پہنچتی رہی۔الہامی تعلیمات صرف عبادت خداوندی پر مشتمل نہیں ہوتی تھی بلکہ معاشرے کا نظم و نسق کے حوالے سے بھی ہوتی تھی۔انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو خدا واحد کی طرف دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے ریاستی معاملات کے بارے میں بھی الہامی تعلیمات مہیا کیں۔وہ لوگ جو خدا واحد کی تعلیمات سے منہ موڑ کر دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرنے لگے انہوں نے بھی معاشرتی اور ریاستی معاملات میں مذہب کا سہارا لیا۔اس طرح ریاست اور مذہب کا ہمیشہ تعلق رہا ہے۔اسلام میں بھی مذہب اور ریاست کا گہرا تعلق ہے۔ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ میں باقاعدہ اسلامی ریاست کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا تھا۔بعد ازاں مدینہ منورہ میں ریاست کا قیام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے عمل میں آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی تعلیمات کے مطابق اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور الٰہی قوانین کے مطابق اس کے نظم و ضبط کو چلایا۔دور نبوت کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اسلامی ریاست کو اسلامی اصولوں کے تحت چلایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست مدینہ قائم کرنے سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے اجتماعی زندگی گزارنے کیلئے ریاست ناگزیر ہے۔ایسی ریاست جس کا قیام احکام خداوندی کے مطابق عمل میں لایا جائے۔اسلامی ریاست کا قیام اس لئے ناگزیر ہے کہ اقامِ دین، مسلمانوں کا آزادانہ زندگی گزارنا، جان ومال کا تحفظ، بے سہارا لوگوں کی دادرسی، پرامن اور برائی سے پاک معاشرے کے قیام کیلئے اسلامی ریاست کا ہونا ضروری ہے۔اسلامی ریاست عدل مبنی ہوتی ہے۔اسلامی ریاست نہ صرف ایک نظریاتی ریاست ہے بلکہ ایک فلاحی ریاست بھی ہے۔ریاست میں موجود ہر فرد کی بھلائی کو یقینی بنانا اس کی ذمہ داری ہے۔یہ ریاست تعصب سے پاک ایک عالمگیر ریاست ہے جس میں نہ صرف مسلم بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی امن وسکون سے رہتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں اقتدار کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔انسان کو بطور خلیفہ اختیارات سونپے گئے ہیں تاکہ وہ احکامِ خداوندی کا نافذ کرے۔اسی انسان کو اسلامی ریاست کا خلیفہ بنانے کیلئے معیار مقرر کیا گیا ہے۔کمزور اور نااہل افراد کے خلافت نہیں

سونپی جاتی۔ اہل اور قابل افراد کو اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں سونپنے کے باوجود بھی ان کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کا نظم و نسق چلانے کیلئے منتخب خلیفہ مطلق العنانیت کے بجائے شوریٰ کی مدد لے گا۔ اسلامی ریاست کا آئین احکام الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔

مقالہ ہذا میں اسلامی ریاست کے استحکام میں مذہب کے کردار کو منتخب علماء و مفکرین کی آراء کی روشنی میں تبصرہ کیا گیا۔ منتخب علماء و مفکرین تصور ریاست و حکمرانی میں مشترک اور مختلف آراء رکھتے ہیں۔ منتخب علماء وفکرین کے آراء کے مطابق اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے۔ جس کا مذہب کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسلامی ریاست میں دین اور سیاست الگ نہیں ہو سکتے۔ منتخب مفکرین میں سے مولانا مودودی اسلامی ریاست میں جمہوریت کے نظریہ کے قائل ہیں۔ جس کو آپ تھیوڈیموکریسی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ آپ مغربی طرز جمہوریت کی مخالفت کرتے ہیں۔ آپ کے مطابق مغربی طرز جمہوریت میں قوانین عوام کی مرضی کے مطابق بنتے ہیں جبکہ تھیوڈیموکریسی میں قوانین من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ مذکورہ منتخب مسلم مفکرین اسلامی ریاست میں شوارائی نظام کے متعلق آراء رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری شوریٰ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جبکہ دیگر مفکرین نے اس طرح کی تقسیم نہیں کی۔ آئینِ ریاست کے حوالے سے آپ کی آراء مشترک ہیں کہ آئین ریاست قرآن، حدیث، عمل صحابہ اور اجتہاد پر مبنی ہو گا۔ اسلامی ریاست میں مقننہ اللہ کی ذات کو تصور کرتے ہیں۔ اسلامی کے سیاسی نظام کے حوالے سے مسلم مفکرین کی آراء سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ مطلق العنانیت کے خلاف ہیں۔ کمیونزم اور ڈکٹیٹر شپ کو اسلام کا پیش کردہ تصور سمجھا گیا تو منتخب مسلم مفکرین نے اس کے بھرپور مذمت کی۔ اسلام کے سیاسی نظام میں عورت کے مقام پر صرف تین مسلم مفکرین نے بحث کی ہے۔ مولانا مودودی کی رائے کے مطابق عورت کا سیاست حصہ لینا میں غیر ضروری ہے۔ آپ عورت کو ریاست کے انتظامی معاملات سے بھی خارج تصور کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ امین احسن اصلاحی بھی عورت کا سیاست میں دخل غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد شرعی ستر وحجاب کے ساتھ عورت کے سیاست میں شامل ہونے کے حق میں ہیں۔

منتخب علماء و مفکرین اسلامی ریاست کے حکمران کے انتخاب کے حوالے سے یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا حکمران انتخاب کے ذریعے چنا جائے گا۔ اور حکمران کے چناؤ میں سب کو رائے دینے کا حق ہے۔ امین احسن اصلاحی حکمران کے زیادہ دیندار ہونا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ انتظامی معاملات میں زیادہ قابل ہونے کو اہم سمجھتے ہیں۔ دیگر مفکرین نے اس حوالے سے کوئی رائے پیش نہیں کی۔ اسلامی ریاست میں حکمران کی ذمہ داریوں کے حوالے سے تمام منتخب مسلم مفکرین کی آراء مشترک ہیں کہ حکمران رعایا کی جان و مال اور عزت کا تحفظ یقینی بنائے۔ اس کے ساتھ معذور اور کمزور افراد کے حقوق کا تحفظ بھی یقینی بنائے۔ ریاست کے تمام افراد کو معاشی تحفظ مہیا کیا جائے۔ عدل وانصاف تک ہر شخص تک رسائی ہو۔ عدل صرف امراء تک محدود نہ رکھا جائے۔ اسلامی ریاست کا حکمران امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پابند ہو اور وہ رعایا میں سے کسی کو معصیت کو حکم نہیں دے سکتا۔ حکمران ریاست میں اقامت دین کو لازم بنائے اور غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کی دل آزاری نہ کی جائے۔

استحکام ریاست میں نظم معیشت، نظم عدل وانصاف، نظم تعلیم اور نظم دفاع وجہاد کے حوالے سے مسلم مفکرین کی آراء کا تجزیہ اور تقابلی مطالعہ کیا گیا۔ اسلام کے نظم معیشت کا ریاست کو مستحکم کرنے میں بات کرتے ہوئے منتخب مسلم مفکرین آراء میں اشتراک اور

بعض مقامات پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کو عالمی سطح پر معاشی لحاظ سے غیر منحصر ہونے پر ڈاکٹر طاہر القادری، مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے تبصرہ کیا ہے۔ دیگر منتخب مفکرین نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا مودودی اسلامی ریاست کو نہ صرف عالمی سطح پر محض معاشی لحاظ سے غیر منحصر ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے سنگین نتائج پر بھی بات کرتے ہیں۔ سنگین نتائج بھاری ٹیکس کے بوجھ کی صورت میں رعایا کو اٹھانا پڑتا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس کے نتائج پر بات نہیں کی۔ آپ نے صرف اسلامی ریاست کو عالمی سطح پر معاشی لحاظ سے غیر منحصر ہونے پر زور دیا ہے۔ منتخب مسلم مفکرین میں سے ڈاکٹر طاہر القادری واحد مفکر ہیں جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب کچھ لوگ رعایا کا استحصال کر کے ان کے حقوق چھین لے تو ریاست کو چاہیے کہ ان سے واپس لے کر لوگوں کو دے۔ ورنہ ریاست میں جرائم میں اضافہ ہو جائے گا۔

سرمایہ داری کے موضوع پر مولانا مودودی نے ریاست کے ساتھ ساتھ رعایا میں عام آدمی پر اس کے اثرات کے نتائج پر بھی بحث کی ہے جب کہ دیگر مفکرین نے اس پہلو پر بات نہیں کی۔ مولانا مودودی نے سرمایہ داری کے رعایا پر برے اثرات کو واضح کیا ہے جن میں مصنوعی طور پر قیمتوں کا بڑھ جانا اور مال کے اچھی قیمت پر نہ بکنے کی صورت میں گوداموں میں روک کر مال کی قلت پیدا کر کے قیمتیں بڑھانا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی کتب میں اسلامی سرمایہ کاری کی وضاحت کی ہے جو کہ دیگر مفکرین نے نہیں کی۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام میں اصل تحفظ محنت کو حاصل ہے نہ کہ سرمایہ کو۔ اسلامی ریاست میں معاشی نظام کو بگاڑنے کیلئے سود کے منفی اثرات پر تمام منتخب مفکرین مشترک رائے رکھتے ہیں۔ تمام مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ سود روحانی، اخلاقی، معاشی و تمدنی اور سیاسی نقصانات کا سبب بنتا ہے۔ سود انسان کو خود غرض بنا دیتا ہے جس سے انسان کسی دوسرے انسان کی مصیبت میں کام نہیں آتا اور ریاست میں لوگوں کے درمیان عدم کی تعاون کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ مولانا مودودی اور ڈاکٹر طاہر القادری نے اس بات کی زیادہ نشاندہی کی ہے کہ سود کے منفی اثرات کا زیادہ حامل متوسط طبقہ ہوتا ہے۔

بینکاری میں سود کے کردار پر صرف مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ مولانا مودودی یہ رائے رکھتے ہیں پرائیوٹ بینکوں پر حکومت کا اقتدار ہونا چاہیے۔ پرائیوٹ بینک مالکان کو نفع کی غرض سے سود کو عام کرنے کی ریاست اجازت نہ دے۔ ڈاکٹر اسرار احمد یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایک چیز کی قیمت سال کے بعد ادا کرنے کا معاہدہ طے ہو تو سال بعد ادا ہونے والی قیمت گزشتہ سال کی قیمت ہو گی۔ اگلے سال چیز کی قیمت بڑھ جانے کی صورت میں بجائے گزشتہ قیمت لینے کے موجودہ قیمت لی جائے تو سود کے زمرے میں شمار ہو گا۔ آپ یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کا فتویٰ دیا گیا ہے کہ لیکن میں اس کو سود کے ضمرے میں شمار کروں گا۔ آپ قسطوں پہ لی گئی چیزوں کو بھی سود میں شمار کرتے ہیں۔ اسراف کے حوالے سے اسلامی ریاست کے معاشی نظم پر منفی اثرات پر ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی نے تفصیلاً بات کی ہے۔ اس موضوع پر مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد مشترک رائے رکھتے ہیں۔ دیگر منتخب مفکرین نے اس موضوع پر تفصیلاً گفتگو نہیں کی۔ مولانا مودودی عیش و آرام کی زندگی گزارنے اور فضول کاموں میں دولت لٹانے پر بات کرتے ہوئے یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ اس طرح کا عمل طبقاتی نظام کو جنم دیتا ہے۔ اور ادنیٰ طبقہ جرائم میں

ملوث ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد دیگر منتخب مسلم مفکرین سے مختلف یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست جبراً زکوۃ وصول کر سکتی ہے تاکہ ریاست جن لوگوں کی کفالت کا ذمہ لیتی ہے وہ پورا کر سکے۔ منتخب مسلم مفکرین میں دیگر نے اس پہ بات نہیں کی۔

نظم عدل و انصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے قانون کی بالاتری کی آراء رکھتے ہیں۔ ریاست کو کوئی باشندہ خواہ وہ امیر ہو یا غریب قانون سے بالاتر نہیں ہوگا۔ تمام منتخب مفکرین ریاست کے تمام باشندوں کو انصاف مہیاء کرنے کی آراء رکھتے ہیں مگر امین احسن دیگر مفکرین کی نسبت اس حوالے سے منفرد رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں وکلاء کی بھاری فیسوں کے نظام کو ختم کیا جائے تاکہ ریاست کا ہر باشندہ انصاف تک رسائی حاصل کر سکے۔ وکلاء کی بھاری فیسوں سے انصاف امراء تک محدود رہتا ہے۔ منتخب مسلم مفکرین کی یہ آراء ہیں کہ اسلامی ریاست تمام باشندوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب انصاف مہیا کرے گی۔ اگر انصاف کی فراہمی کے وقت رنگ و نسل اور مذہب کی تفریق کی گئی تو ریاست عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی۔ ریاست میں جرائم کی روک تھام کیلئے ضروری ہے کہ مجرم کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ اس لئے منتخب مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اسلامی قوانین لاگو کرنے سے جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

عدل و انصاف کو صرف معاشرتی لحاظ سے نہیں دیکھتے بلکہ آپ ریاست میں معاشی عدل قائم کرنے کی بھی آراء پیش کرتے ہیں۔ ریاست میں کسی مخصوص طبقہ کو تمام رعایا کے اموال پر ناجائز قبضہ یا ناجائز کھانے کی نفی کرتے ہیں۔ سود کے ذریعے ناجائز نفع خوری کی مخالفت کرتے ہیں۔ مسلم مفکرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اقربا پروری کا خاتمہ کیا جائے۔ کیونکہ جب حکمران اپنے قریبوں لوگوں کو معاشی فائدہ دیں گے تو ریاست میں معاشی ناانصافی ہوگی جس کے نتائج ریاست کا غیر مستحکم ہونا ہے۔ منتخب مسلم مفکرین میں سے امین احسن اصلاحی منفرد مفکر ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ ریاست میں سیاسی ناانصافی سے پرہیز کیا جائے۔ بعض حکمران سیاسی دشمنی کی بنیاد پر مخالف پارٹی کے لوگوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک رکھتے ہیں اور انہیں انصاف سے محروم رکھتے ہیں۔ اور حکومتی پارٹی تمام حقوق اپنی پارٹی کے لوگوں کے لئے خاص کر لیتی ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کے عدم استحکام سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ ریاست میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل و انصاف قائم کیا جائے۔

نظم دفاع کے حوالے سے مشترک آراء رکھتے ہیں۔ بعض موضوعات پر مفکرین نے انفرادی طور پر تبصرہ کیا ہے جن پر دوسروں نے آراء پیش نہیں کی۔ ریاست کو بیرونی خطرات سے بچانے کیلئے اسلامی ریاست کو دشمن ریاست پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرنے پر ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی مشترک آراء رکھتے ہیں۔ دیگر مفکرین نے اس موضوع پر اپنی آراء پیش نہیں کی۔ ریاست کو اندرونی شر پسند عناصر سے بچانے کیلئے تلوار اٹھانے کے حوالے سے ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا مودودی مشترک رائے رکھتے ہیں۔ آپ ہر صورت میں فتنہ و فساد، سازشوں کا خاتمہ اور بغاوت کی سرکوبی کے لئے ریاست کو فوری اقدامات کرنے کی آراء رکھتے ہیں۔ بعض موضوعات ایسے ہیں جس پہ تمام منتخب مسلم مفکرین نے تبصرہ نہیں کیا بلکہ چند نے تبصرہ کیا ہے۔ جیسا کہ اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے مضبوط سفارتکاری کے ذریعے حلیف بنا لینے پر صرف ڈاکٹر حمید اللہ نے تبصرہ کیا ہے۔ مختلف حلیف بنانے سے بیرونی حملہ کا خدشہ رفع ہو جاتا ہے۔ ذمیوں کے عبادت خانوں کی حفاظت اور مرمت کرنے پر صرف مولانا مودودی نے تبصرہ کیا ہے۔

آپ کے مطابق امصار المسلمین یعنی وہ شہر جن کو مسلمانوں نے خاص اپنے لئے آباد کیا ہو اس کے علاوہ ریاست کے دوسرے شہروں میں ذمیوں کو عبادت خانے بنانے اور ان کی مرمت کی اجازت ہو گی۔ ذمیوں کے معبد بنانے اور انکی حفاظت کے حوالے سے صرف مولانا مودودی نے تبصرہ کیا ہے۔ دیگر مفکرین نے نئے معابد خانے بنانے پر تبصرہ نہیں کیا۔ اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے عورت کی شرکت پر صرف امین احسن اصلاحی نے بات کی ہے۔ آپ یہ رائے رکھتے ہیں کہ عورت ریاست کے دفاع میں شامل ہو سکتی ہے۔ دیگر مفکرین نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔

نظم تعلیم کے حوالے سے صرف مولانا مودودی اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کا تبصرہ ملتا ہے۔ آپ اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے نظم تعلیم کو بہت اہم گردانتے ہیں۔ دونوں مسلم مفکرین یہ آراء رکھتے ہیں کہ اسلام کا نظم تعلیم علوم کو عصری اور دینی علوم کی اقسام میں نہیں بانٹتا۔ تعلیم میں ثنویت کا نظام مغربی سیکلرزم کی طرف دھکیلتا ہے۔ محدود تعلیمی نظام فرقہ واریت اور شدت پسندی کا باعث بنتا ہے۔ دونوں مفکرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلام کے نظم تعلیم میں مخلوط تعلیمی نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کا نظم تعلیم ریاست میں واحدانیت پیدا کراتا ہے اور ہر فرد کو مہذب بناتا ہے۔ اسلام کا نظم تعلیم انسان کے اندر اخلاقی اقدار کو اجاگر کرتا ہے۔ مولانا مودودی اور محمود احمد غازی یہ رائے پیش کرتے ہیں اسلام کے نظم تعلیم کا مقصد ذریعہ معاش نہیں بلکہ نظریہ کو زندہ رکھنا ہے۔ اسلام کا نظم تعلیم اسلامی تہذیب کو اجاگر کرتا ہے۔ اسلامی نظم تعلیم انسان کو اس کے خالق حقیقی کی پہچان کرواتا ہے۔ مولانا مودودی اور محمود احمد غازی کے مطابق اسلامی ریاست میں موجودہ تعلیمی نظام سے غلامی کی سوچ پنپتی ہے۔ لہذا ہمیں اسلامی ریاست میں ایک ایسے نظام تعلم کو رائج کرنا چاہیے جس سے ریاست کے تمام افراد کی سیرت نگاری ہو۔ طوطے مینا کی طرح سبق پڑھ کے اسناد حاصل کرنے تعلیم کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست میں ایسا نظام تعلیم ہونا چاہیے جو افراد کی تربیت کرے اور انہیں اخلاقی اقدار سکھائے۔

نتائج بحث (Conclusions)

1. اسلامی ریاست میں دین اور سیاست الگ نہیں ہو سکتے اور استحکام ریاست میں مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔
2. اسلامی ریاست کے بنیادی عوامل میں (مقتدر اعلی، خلافت انسانی، شوری، عدلیہ، دفاعی اور معاشی نظام کا قیام) وغیرہ شامل ہیں۔
3. ریاست میں عدم استحکام کے اسباب میں (شریعت کا عدم نفاذ، نااہل قیادت، موروثی، فرقہ واریت اور قومیت پرستی کی سیاست، نظام تعلیم میں فقدان) وغیرہ شامل ہیں۔
4. منتخب علماء و مفکرین اسلامی ریاست میں خلافت کے نظریہ کے قائل ہیں۔ جس کو مولانا مودودی نے تھیوڈیموکریسی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ تھیوڈیموکریسی میں قوانین من جانب اللہ ہوتے ہیں نہ کے عوام کی مرضی کے مطابق۔
5. اسلام کے سیاسی نظام میں عورت کے مقام پر مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی عورت کا سیاست میں حصہ لینا کی مخالفت کرتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد شرعی ستر وحجاب کے ساتھ عورت کے سیاست میں شامل ہونے کے حق میں ہیں۔
6. منتخب علماء و مفکرین اسلامی ریاست کے حکمران کے انتخاب میں چناؤ (election) کی رائے رکھتے ہیں۔ امین احسن اصلاحی حکمران کا زیادہ دین دار ہونا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ انتظامی معاملات میں زیادہ قابل ہونے کو اہم سمجھتے ہیں۔
7. مولانا مودودی اور ڈاکٹر طاہر القادری نے یہ رائے دی ہے کہ اسلامی ریاست کا معاشی استحکام موجودہ عالمی معاشی اداروں پر انحصار ختم کرنے پر مبنی ہے۔
8. تمام مفکرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ ریاست کو معاشی لحاظ سے مستحکم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پرائیوٹ بینکوں کا کنٹرول ریاست کے پاس ہو اور ریاست بینکوں کے مالکان کو سود کی اجازت نہ دے۔
9. ڈاکٹر اسرار احمد زکوۃ کے حوالے سے یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست جبراً زکوۃ وصول کر سکتی ہے۔
10. تمام منتخب مفکرین ریاست کے ہر فرد کو انصاف مہیاء کرنے کی آراء رکھتے ہیں مگر امین احسن اصلاحی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ وکلاء کی بھاری فیسوں کے نظام کو ختم کیا جائے تا کہ ریاست کا ہر باشندہ انصاف تک رسائی حاصل کر سکے۔
11. اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کو قائم کرنے کیلئے اقرباء پروری سے پرہیز کرنا چاہیے۔
12. اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے مضبوط سفارتکاری کے ذریعے حلیف بنانے پر صرف ڈاکٹر حمید اللہ نے تبصرہ کیا ہے۔ مختلف حلیف بنانے سے بیرونی حملہ کا خدشہ رفع ہو جاتا ہے۔
13. اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے عورت کی شرکت پر صرف امین احسن اصلاحی رائے رکھتے ہیں۔
14. منتخب مسلم مفکرین کے مطابق اسلام کے نظم تعلیم کا مقصد ذریعہ معاش نہیں بلکہ نظریہ کو زندہ رکھنا ہے۔ اسلام کا نظم تعلیم اسلامی تہذیب کو اجاگر کرتا ہے اور انسان کو اس کے خالق حقیقی کی پہچان کرواتا ہے۔ اس میں مخلوط تعلیمی نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔
15. تمام مفکرین نے اسلام کے نظریہ دفاع میں، جہاد باللسان کی رائے دی ہے۔ اگر ریاست میں برائی کی تشہیر ہو رہی ہے جس سے معاشرتی نظام بگڑ رہا ہے تو حکمرانوں پر لازم ہے کہ معروف کا امر دیں اور منکر روکیں اور ریاست کو عدم استحکام سے بچائیں۔

سفارشات (Recommendation)

1. سائنس کی ترقی اور نئے علوم (سائبر وار، ڈیجیٹل کرنسی) کے دریافت ہونے سے اسلامی ریاست کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تحقیق کی ایک جہت یہ ہو سکتی ہے کہ محققین مستقبل میں ایسے تحقیقی موضوعات پر کام کریں جس سے اسلامی ریاست کو درپیش مسائل حل ہوں۔

2. امعات کو چاہئے کہ " نئی نسل میں مذہب سے بیزاری اور ریاست کی ترقی میں مذہب ایک رکاوٹ ہے "اس طرح کے موضوعات پر تحقیقات کرائی جائیں تاکہ نئی نسل میں مذہب کے بارے میں شکوک شبہات کو دور کیا جاسکے۔

3. تمام اسلامی ممالک اپنا عالمی معاشی نظام (عالمی بینک کی طرح) قائم کریں تاکہ موجودہ عالمی معاشی نظام پر انحصار کرکے ریاست کو عدم استحکام کا شکار نہ بنایا جائے۔

4. عدلیہ کو چاہیے کہ اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کو بہتر بنانے کیلئے وکلاء کی بھاری فیسوں کو ختم کیا جائے اور انہیں دیگر ملازمین کی طرح ریاست کے عام ملازم کی طرح بھرتی کیا جائے۔

5. طلباء ایسی تنظیموں کا قیام عمل میں لائیں جس کے ذریعے اسلامی ریاست کے اصل مقصد کو نئی نسل میں منتقل کرکے زندہ رکھا جائے۔

فہارس(Index)

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ	البقرة	30	17
2.	وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ	البقرة	35	17
3.	فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَٰنُ عَنْهَا	البقرة	36	17
4.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	البقرة	178	45
5.	وَ لَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا	البقرة	188	90
6.	وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ	البقرة	191	99
7.	تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ	البقرة	229	45
8.	الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ	البقرة	275	35-43
9.	لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ	آل عمران	61	46
10.	وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا	آل عمران	103	40
11.	وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ	آل عمران	104	37
12.	كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ	آل عمران	110	36-47
13.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ	آل عمران	118	48
14.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا	آل عمران	131	35
15.	وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ	آل عمران	159	30
16.	وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا	النساء	1	17
17.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	النساء	29	34
18.	وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِٱلْعَدْلِ	النساء	57	31

.19	انّ الله يامركم ان تؤدّوا الْامٰنت الى اهلها	النساء	58	37-39
.20	ويقولون طاعة فإذا برزوا من عندك بيّت	النساء	81	99
.21	ودّ الّذين كفروا لو تغفلون عن أسلحتكم	النساء	102	32
.22	وأخذهم الربا وقد نهوا عنه وأكلهم أموال	النساء	161	91
.23	ولا يجرمنّكم شنأن قوم على ألّا تعدلوا	المائده	8	85
.24	يا أيّها الّذين آمنوا كونوا قوّامين للّه	المائده	8	31-87
.25	من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الْأرض	المائده	34	100
.26	والسّارق والسّارقة فاقطعوا أيديهما	المائده	38	45
.27	يا أيّها الّذين آمنوا لا تتّخذوا الْيهود والنّصارى	المائده	51	32
.28	كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس	المائده	79	47
.29	إن ٱلْحكم إلّا للّه يقصّ ٱلْحقّ	الأنعام	57	27
.30	إنّ الّذين كفروا ينفقون أموالهم ليصدّوا	الانفال	36	102
.31	ولا تكونوا كالّذين خرجوا من ديارهم بطرا	الانفال	47	102
.32	وإمّا تخافنّ من قوم خيانة فانبذ إليهم على	الانفال	58	32
.33	وأعدّوا لهم ما استطعتم من قوّة	الأنفال	60	33-97
.34	يا أيّها الّذين آمنوا لا تتّخذوا الّذين اتّخذوا	الانفال	61	32
.35	اشتروا بآيات الله ثمنا قليلا فصدّوا عن سبيله	التوبه	9	103
.36	خذ من أموالهم صدقة تطهرهم	التوبه	103	34
.37	يا أيّها الّذين آمنوا إنّ كثيرا من الْأحبار	التوبه	34	42-66
.38	و ما ارسلنا من رّسول الا بلسان قومه ليبين لهم	ابراهيم	52	3
.39	ولقد بعثنا فى كل أمّة رّسولا أن اعبدوا الله	النحل	36	16
.40	وأنزلنا إليك الذّكر لتبين للنّاس ما نزّل إليهم ولعلّهم	النحل	44	3
.41	إنّ ٱللّه يأمر بٱلْعدل	النحل	90	31

34-42	31	مريم	وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا	.42
17	115	طٰه	وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ	.43
36-47	41	الحج	الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ	.44
26	88	المؤمنون	قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ	.45
49	19	النور	إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ	.46
30	38	الشعراء	وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ	.47
50	4	القصص	إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا	.48
46	60	الاحزاب	لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ	.49
27	26	ص	يٰدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ	.50
79	15	الشورىٰ	قُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ	.51
16	56	الذاريات	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	.52
69	7	الحشر	كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ	.53
15	71	نوح	وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا	.54
67	2	الهمزه	ٱلَّذِى جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُۥ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُۥٓ أَخْلَدَهُۥ	.55

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
.1	أَتشفَع في حدّ من حدُود الله إنّمَا أَهلَكَ الّذين قبلَكُمْ	صحیح بخاری	80
.2	أَ لَا من قتلَ نفْسا معاهدًا له ذمَّةُ الله	جامع ترمذی	108
.3	إنّ الصّدْق يهدي إلَى الْبر وإنّ الْبرَّ يهدي إلَى الجَنَّة	صحیح مسلم	46
.4	إنّ اللهَ عزّ وجلّ إذا أَراد أَنْ يهلك عبدًا نزع منْهُ الحيَاء	سنن ابن ماجہ	49
.5	اسْمَعوا وأَطيعوا وإن استعمل عليْكُم عبدٌ حبشيٌّ	صحیح بخاری	38
.6	وإنّ دماءكم وأَموالكُم عليكُم حرامٌ كحرمة يومكُم هذا	جامع ترمذی	48
.7	فإنّ اللهَ حرَّم عليكُم دماءكُم وأَموالكُم وأَعراضكُم، كَحرمة	صحیح بخاری	89
.8	الجالب مرزوقٌ والْمحتكر ملعونٌ	سنن ابن ماجہ	67
.9	فذلكَ الْمسلم الّذي لَه ذمَّةُ الله وذمَّةُ رسوله	صحیح بخاری	89
.10	كُلُّ الْمسلم علَى الْمسلم حرامٌ دمه وماله وعرضه	صحیح مسلم	48
.11	لاَ طاعَةَ في معصية الله إنّمَا الطَّاعَةُ في الْمعروف	سنن ابی داؤد	38
.12	لَعن رسولُ الله ﷺ آكل الربا وموكله	صحیح مسلم	72
.13	لَعْنةُ اللهِ علَى الرَّاشي والْمرتشي فى الحكم	سنن ابن ماجہ	92
.14	لَعن رسولُ الله ﷺ الرَّاشي والْمرتشى	سنن ابی داؤد	93
.15	لَن (أَو) لاَ نستعمل علَى عملنا من أَراده	صحیح بخاری	39
.16	ليس منّا من دعَا الى عصبيَّة وليَس منّا من قاتل عصبيَّة	سنن ابی داؤد	39
.17	لَيس لابن آدم حقٌّ في سوى هذه الخصال بيت يسكنه	جامع ترمذی	65
.18	من رأَى منكُم منكرا فلْيغيره بيده فإنْ لَم يستطع فبلسانه	صحیح مسلم	29
.19	من كَانَ معه فضل ظَهر فلْيعد به على من لا ظَهر له	صحیح مسلم	66
.20	من قتل معاهدا لَم يرح رائحة الجَنَّة	صحیح بخاری	107
.21	يا أَبا ذَر، إنَّكَ ضعيفٌ، وإنَّها أَمانَةُ، وإنَّها يوم الْقيامة	صحیح مسلم	29

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

عربی کتب

1. ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، 1414ھ)
2. ابن سعد، ابوعبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، (بیروت: دار بیروت للطباعہ والنشر، 1960ء)
3. ابن طقطقی، محمد بن علی، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، (بیروت: مؤسسۃ الکتب الثافیہ، 1413ھ)
4. التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، (بیروت، لبنان: دار المعارفہ، س۔ن)
4. الفارابی، ابوالنصر محمد، آراء اہل المدینہ الفاصلہ، (مصر: المطبع المعادۃ، 1906ء)
5. الماوردی، علی بن محمد ابوالحسن، الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ، (بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، 1397ء)
6. فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، (بیروت: موسسۃ الرسالہ، 1407ھ)
7. محمد بن عبدالوہاب، مختصر زاد المعاد (القاہرۃ: دار الریان للتراث، 1987ء)
8. مالک، المؤطا، کتاب القدر، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 158ھ)
9. محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ دار لفکر (دمشق: دار کتاب، 1397ھ)

اردو کتب

1. اسرار احمد، پاکستان میں نظام خلافت، کیا، کیوں اور کیسے ؟، (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، 2005ء)
2. اسرار احمد، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات وخدشات اور بچاؤ کی تدابیر، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 2006ء)
3. اسرار احمد، بیان القرآن (پشاور: انجمن خدام القرآن ۲۰۰۹ء)
4. اسرار احمد، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 2015ء)
5. اسرار احمد، اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل، (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، 2003ء)
6. امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، (لاہور: دار التذکیر، 2002ء)
7. امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن (لاہور: فاران فاونڈیشن ۲۰۰۹ء)
8. ادریس کاندھلوی، تفسیر معارف القرآن، (سندھ: مکتبہ المعارف شہداد پور، 1422ء)
9. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، 1966ء)
10. پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۳۹۹ھ)
11. حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظام حکومت، (دہلی: ندوۃ المصنفین، 1956ء)
12. خان۔اے، ہندوستان کا تاریخی اٹلس، (نیویارک: روزون پبلشرز، 2004ء)
13. ڈوئیل، میگاواٹ، سلطنتیں، (نیویارک: کورنیل یونیوسٹی پریس، 1986ء)
14. شہزادہ سلیم، مولانا اصلاحی کی کہانی اس کی زبانی، ماہنامہ: اشراق، جلد و شمارہ ندارد، (لاہور: المورد، 1999ء)
15. عاصم نعمانی، مولانا مودودی اور تصوف، (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلشرز)
16. عماد الحسن فاروقی آزاد، دنیا کے بڑے مذاہب، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 2013ء)

17. گوہر رحمان، اسلامی سیاست، (مردان: دارالعلوم تفہیم القرآن، 1981ء)
18. لطف الرحمنٰ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی چند مشہور کتب سیرت کا تعارف اور ان کے مندرجات، (اسلام آباد: معارف اسلامی، 2004ء)
19. محمد طاہر القادری، اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول، (لاہور: منہاج القرآن، 1992ء)
20. محمد طاہر القادری، سیاسی مسئلہ اور اس کا حل، (لاہور: منہاج القرآن، 1976ء)
21. محمد طاہر القادری، اقتصادیات اسلام، (لاہور: منہاج القرآن، 2007ء)
22. محمد طاہر القادری، الجہاد الاکبر، (لاہور: منہاج القرآن، 2015ء)
23. محمد طاہر القادری، اسلامی ریاست میں غیر مسلم کے جان ومال کا تحفظ، (لاہور: منہاج القرآن، 2010ء)
24. مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1967ء)
25. مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن ۱۹۷۲ء)
26. مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2005ء)
27. مودودی، ابوالاعلیٰ، سود، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1968ء)
28. مودودی، ابوالاعلیٰ، معاشیات اسلام، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1991ء)
29. مودودی، ابوالاعلیٰ، تعلیمات، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ،
30. مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی نظام تعلیم، (مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، 2007)
31. مودودی، ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2014ء)
32. مودودی، ابوالاعلیٰ، قرآن کی معاشی تعلیمات، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1997ء)
33. مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1959ء)
34. مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام کا نظام حیات، (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، 1991ء)
35. مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلام اور عدل اجتماعی، (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، 2012ء)
36. محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست، (لاہور: الفیصل ناشران، 2005ء)
37. محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، (بہاولپور: جامعہ اسلامیہ، 2005ء)
38. محمود احمد غازی، محاضرات تعلیم، (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، 2017ء)
39. محمود احمد غازی، محاضرات شریعت، (لاہور: الفیصل ناشران، 2009ء)
40. محمود احمد غازی، خطبات بہاولپور، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، 2007ء)
41. محمود احمد غازی، مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، (گجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، 2009ء)
42. محمود احمد غازی، حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، (اسلام آباد: ناشر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، 1993ء)
43. محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2008ء)
44. محمد شفیع عثمانی، اسلام کا نظام تقسیم دولت، (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، 1968ء)
45. مومن، عبدالرحمنٰ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ: سیرت، کمالات اور افادات، (لاہور: فرید بک ڈپو، 2006ء)
46. محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، (کراچی: ادارۃ المعارف، 1414ھ)
47. محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2010ء)

48. محمد تقی عثمانی،آسان ترجمہ قرآن(کراچی: مکتبہ معارف القرآن۲۰۱۹ء)
49. محمد متین ہاشمی،اسلامی نظام عدل کانفاذ مشکلات اوران کا حل،(لاہور، مرکزی تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری)
50. محمد حفظ الرحمٰن سیوہاری،اسلام کااقتصادی نظام،(ممبئ: مکتبہ الحق،1937ء)
51. محمد مظہر الدین صدیقی،اسلام کامعاشی نظریہ،(لاہور،:ادارہ ثقافت اسلامیہ،1954ء)
52. ہارون یحییٰ، نظریہ ارتقاءایک فریب،(لاہور:ادارہ اسلامیات، 2002ء)

English Books:

1. Flinders Petrie, The Religion of Ancient Egypt, Lomdon:(Constable, 1908)
2. Wilhelm Schmidt, The Origin and Growth of Religion: Facts and Series, (London: Methuen and Company limited, 1931)
3. Turchin, Peter, East-West Orientation of Historical Empires, (Journal of World Systems Resarch, June 2020)
4. Taageera, Rein, Size and Duration of Empires: Growth-Decline, Curves, (Cambridge: Cambridge University Press, 2016)
5. Hamilton A.R Gibb, Mohammadanism: A Historical Survey, (Oxford University Press, 1949)
6. T.G Ferguson, The New International Webster's Comprehension Dictionatary, (Chicago Illionors, Trident Press International, 1996)
7. Smith, J.C and David N. Weisttube, The Western Idea of Law, (Butterworths, London, 1983)
8. Baker J.H, An Introduction to English Legal History, (Butterworths, London, 1997)
9. Kant, Immanuel, Religion within the limits of reason alone, (New York, 1960)

Websites:

1. https://answersingenesis.org/the-flood/flood-legends/a-comparison-from-secular-historical-records
2. http://www.Ilhaad.com/2017/12/origin-of-religion
3. http://ur.wikipedia.org/wiki/مذہب/ ایرانی سلطنت
4. www.ur.minhaj.org.
5. http://www.grandestrategy.com/2010/04/dr-israr-ahmed.html/
6. tanzeem.islami.org/organization/founder
7. www.Ashrafia.com